ماہنامہ
آنکھ مچولی
کراچی
مئی ۱۹۹۴ء
میں اٹھ دن
تاریک برِّاعظم کا سفرنامہ
نکھ مچولی کی خصوصی پیشکش
ڑھے کی شرارت
ک شرارتی نظم
ات ڈریکولا سے ملاقات
ڑھیے اور ڈریے
یا راز تھا؟
نی صفحات پر ملاحظہ کیجیے
چیمپئنز ٹرافی کی واپسی
دلچسپ رنگین تصویری فیچر
SP
SIND SPORTS

NAZ
DELICIOUS PAN MASALA
جس کی خوشبو بھی پیاری
جس کی لذّت بھی پیاری
جو ہے سب کی پسند
میری مُٹھی میں بند
ہے کیا.... بتادو نا
ناز
پان مصالحہ
ASHRAF PRODUCTS
P.O. BOX 3546, KARACHI-5 (PAKISTAN)
CABLE: "TWO-IN-ONE"

سات برس کے بعد

آنکھ مچولی کا خاص نمبر

انوکھے انداز میں، بہترین پیش کش کے ساتھ

ستمبر ۹۴ء میں
منظرِ عام پر آرہا ہے

- دلچسپ پُر تجسّس کہانیاں
- مقبول شاعروں کی نظمیں
- آپ کی پسندیدہ شخصیتوں کے انٹرویو
- پڑھنے والوں سے مزید اسروے
- رنگین تصویری فیچر
- دُوسرے سیّاروں کے قصّے
- مہم جُوئی کے واقعات
- ہنستے ہنساتے تفریحی ڈرامے
- شکاریات کی دُنیا
- کھیل کے میدان
- گُدگُداتے ہوئے کارٹون
- کھلکھلاتے ہوئے لطیفے
- اور رنگ پارے جو ہر دوسرے صفحے پر بکھرے ہوں گے

قہقہہ بھی، سنجیدگی بھی

حیرت بھی اور دہشت بھی

آپ بھی لکھیے

ہر قابلِ اشاعت تحریر کا معاوضہ دیا جائے گا

موضوع کی کوئی پابندی نہیں ہوگی

پورا رسالہ رنگ برنگی تحریروں، تصویروں اور نت نئے سلسلوں سے مزین ہوگا

تحریریں بھیجنے کا پتا : مدیرِ اعزازی آنکھ مچولی، ۱- پی آئی بی کالونی کراچی

Goldfish
Deluxe Pencil

حقیر
سی
لکیر

حقیر سی لکیر سے اعلیٰ تحریر تک
ہر قدم، ہر مرحلے پر آپ کی ساتھی

گولڈ فِش ڈیلیکس پینسل

SHAHSONS (PVT) LIMITED
D-88 S.I.T.E MANGHOPIR ROAD, KARACHI-16.
PHONE: 296001-4

جہاں چلے، رواں چلے

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

آنکھ مچولی

جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر ۱۱

ذی القعد / ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ مئی ۱۹۹۴ء

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت
رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی
رکن پاکستان چلڈرنز میگزین سوسائٹی

مدیر اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

منتظم اعلیٰ
تجمل حسین چشتی

منیجنگ ایڈیٹر
ایم اے فاروقی

مدیر اعزازی
طاہر مسعود

مجلس ادارت
منیر احمد راشد، محمد عمر احمد خان

سرکولیشن منیجر
بابر فاروقی

مصوّر
مومن رحیم

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جا سکتی۔
ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونیوالی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیر سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے شائع کیا ہے۔

قیمت ۱۰ روپے
۷ درہم ۷ ریال

فون: ۴۹۴۲۸۵۷

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی ۵-اے پی آئی بی کالونی کراچی ۵ (۷۴۸۰۰)

ناشر: ظفر محمود شیخ ۔ طابع: زاہد علی ۔ مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ کراچی

تحریری مباحثہ

اس الوان کی رائے میں

پڑھائی کے لئے پٹائی ضروری ہے

موافقت کی دلیل

آج کا طالب علم "شوق" سے نہیں "خوف" سے پڑھتا ہے۔ اسی لئے ڈنڈے کا استعمال ضروری ہے

مخالفت کی دلیل

استاد محنت سے بچنے اور اپنی کم علمی کو چھپانے کے لئے "مولا بخش" کا سہارا لیتے ہیں۔

آپ کا کیا خیال ہے؟

مختصر اور جامع دلائل کے ساتھ اپنے خیالات لکھ کر ہمیں ارسال کیجئے

اوّل، دوم اور سوم آنے والی تحریروں کو بالترتیب ایک ہزار، پانچ سو اور تین سو روپے کے نقد انعامات دیئے جائیں گے

مقابلہ میں حصہ لینے کی آخری تاریخ ۲۵ مئی ۱۹۹۴ء ہے

پتہ: تحریری مباحثہ، ماہنامہ آنکھ مچولی، ۱۰- پی آئی بی کالونی، کراچی-۷۴۸۰۰

حسنِ ترتیب

سنہرے حروف ــــ ادارہ ــ ۸
ماہِ رواں کی پہلی بات ــــ اداریہ ــ ۹
کیا چاہتا ہوں (نظم) ــ جنید حفیظ ــ ۱۰
اور دُعا قبول ہو گئی ــــ عاصم الدین ــ ۱۱
سازش ــــ مقداد اعظم ــ ۱۴
چھٹی کی گھنٹی (نظم) ــ شبیر بیگ ناز ــ ۱۹
مکان کرائے کے لئے ــ سیما صدیقی ــ ۲۰
چیمپئن کی واپسی ــــ سلیم خالق ــ ۲۸
آخری محافظ ــــ غلام حسین میمن ــ ۳۱
ایک درخشندہ ستارہ ــ سلیم بن خالق ــ ۳۶
بکرا اور بچہ ــــ محمد عمر احمد خان ــ ۳۹
لاڈلا ــــ صہیب جمال ــ ۴۶
ایک بکرا چاہئے (نظم) ــ عبد القادر ــ ۵۰
احسان کا بدلہ ــــ عبد الستار خان طاہر ــ ۵۲
ہنستے ہنستے ــــ لطائف ــ ۵۵
نجف کا خواب ــــ راحت صلاح الدین ــ ۵۹
امتحان ہے آپ کی ذہانت کا ــــ اداریہ ــ ۶۵
گدھے کی شرارت (نظم) ــ محمد جاوید خلد ــ ۶۸
زمانہ بدل گیا ہے ــــ منیر احمد راشد ــ ۷۰
سوال یہ ہے ــــ ایاز محمود ــ ۷۸
وہ کیا راز تھا ــــ محمد عمر احمد خان ــ ۸۳
انٹارکٹیکا میں آٹھ دن ــ سیّد اصغر جمال ــ ۹۰
عکس ادھورے کیجئے پورے ــــ ادارہ ــ ۹۹
بنام آنکھ مچولی ــــ خطوں کے جواب ــ ۱۰۳
بچاؤ ــــ اشتیاق احمد ــ ۱۰۷
قلم دوست ــــ ننھی نگارشات ــ ۱۱۵

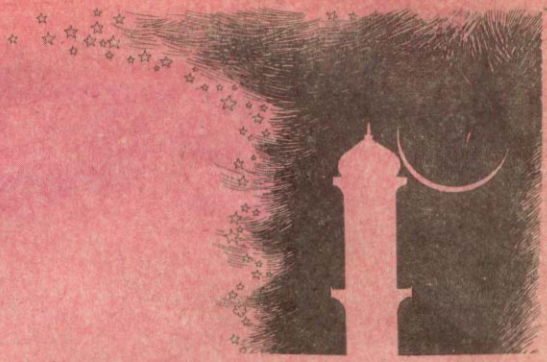

سنہرے حروف

صدیوں پرانا واقعہ ہے۔ حسن نامی ایک شخص دہلی میں رہتا تھا۔ وہ ایک ہندو برہمن کا ملازم تھا۔ برہمن نے حسن کو تھوڑی سی زمین اور بیلوں کی ایک جوڑی دی اور کہا کہ وہ کھیتی باڑی کا کام کرتا رہے۔ ایک روز حسن زمین میں ہل چلا رہا تھا کہ اس کا ہل کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس نے مٹی کھودی تو زمین کے اندر سے ایک برتن نکلا۔ اس میں سونے کے سکے بھرے ہوئے تھے۔ حسن ایک ایمان دار آدمی تھا۔ وہ یہ خزانہ اپنے آقا کے پاس لے گیا۔ برہمن آقا کو بادشاہ کے دربار میں اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ان دنوں دہلی پہ تغلق خاندان کی حکومت تھی۔ برہمن نے سارا حال بادشاہ سے عرض کیا ـــــ بادشاہ کو حسن کی دیانت داری نے بہت متاثر کیا۔ اس نے حسن کو دربار میں طلب کیا اور اپنی فوج کے ایک سو سواروں کی کمان سونپ دی۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے حسن کو حیدر آباد دکن میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز کر کے بھیج دیا۔ حسن اپنی محنت، لگن اور ایمان داری سے ترقی کرتا رہا اور یہاں تک کہ وہ دکن کا بادشاہ بن گیا۔

بادشاہ بننے کے بعد حسن اپنے پرانے برہمن آقا کو نہیں بھولا۔ اس نے اسے طلب کیا اور اپنا وزیر بنا لیا۔ حسن نے دکن میں بہمن خاندان کی بنیاد ڈالی۔ یہ خاندان عرصۂ دراز تک حکومت کرتا رہا۔ یوں ایک معمولی کسان کا نام محض ایمانداری کی بدولت تاریخ میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے درج ہو گیا۔

پہلی بات

دنیا میں جتنے بھی آسان کام ہیں ان میں آسان ترین کام وعدہ کرنا ہے۔ کیونکہ وعدہ کرنے میں کوئی محنت نہیں کرنی پڑتی۔ صرف چند جملے خرچ کرنے پڑتے ہیں اور ان چند جملوں کو ادا کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ اسی لئے اکثر دیکھا گیا ہے لوگ بغیر سوچے وعدے کر لیتے ہیں اور پھر اسے پورا نہیں کرتے۔ آپ نے کبھی سوچا ہے کہ وعدہ کیا ہے؟

وعدہ ایک عہد ہے جو آپ کسی سے کرتے ہیں۔ اور ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ جب وہ کوئی عہد کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے۔ خواہ یہ عہد چھوٹا ہو یا بڑا۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ چھوٹے چھوٹے وعدے نبھانے میں زیادہ سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے اپنے کسی دوست سے کوئی کتاب مانگی۔ اس نے فوراً اگلے دن کا وعدہ کر لیا۔ پھر وہ بھول گیا۔ آپ نے اگلے دن یاد دلایا تو اس نے چونک کر کہا: "افوہ! مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔ اچھا کل لا دوں گا۔" اور پھر یہ کل، پرسوں پر ٹل گیا۔ اور پرسوں ترسوں پر۔ یہاں تک کہ آپ نے مایوس ہو کر کتاب کا تقاضا کرنا ہی چھوڑ دیا۔ ذرا سوچئے۔ آپ کی رائے اپنے ان دوست کے بارے میں کیا ہوگی؟ یہی نا کہ نہایت وعدہ خلاف ہے بلکہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ وعدہ خلافی تو ایک بار ہوتی ہے، بار بار کی وعدہ خلافی تو جھوٹ بن جاتی ہے۔

وعدہ خلافی کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب ہم وعدہ کر رہے ہوتے ہیں تو وہ محض زبانی وعدہ ہوتا ہے۔ دل میں پہلے سے یہ بات طے ہوتی ہے کہ یہ کام نہیں کرنا ہے یا یہ کام ہم سے نہیں ہو سکے گا۔ اسے جھوٹا وعدہ کہتے ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہے کہ ہم نے جس سے وعدہ کیا اسے ایک امید پیدا ہو گئی اور جب وعدہ پورا نہ ہوا تو امید مایوسی میں بدل گئی۔ یہ دوہرا نقصان ہے کہ ہم جھوٹے بھی کہلائے اور جس سے وعدہ کیا اس سے تعلقات بھی خراب ہوئے۔

وعدہ پورا نہ کرنے کی وجہ لاپرواہی اور غیر ذمہ داری ہوتی ہے۔ وعدہ کر کے بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ خود ہم کو اپنے لفظوں کا پاس نہیں ہے۔ اپنی کہی ہوئی بات خود ہماری نگاہوں میں دو کوڑی کی ہے۔ کیونکہ اگر ہمیں اپنی بات کا احترام ہوتا تو ہم اسے ضرور یاد رکھتے۔ بھولنے کا سوال ہی نہیں تھا یا زیادہ سے زیادہ بھولنے کا واقعہ ایک بار پیش آتا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ

اللہ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ کی پابندی کی بڑی سختی سے تاکید کی ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اے مسلمانو! وہ بات کہتے کیوں ہو جسے تم پورا نہیں کر سکتے۔ وعدہ خلافی کو منافق کی پہچان بھی بتایا گیا ہے۔ اور منافق وہ ہوتا ہے جس کے دل میں کچھ ہوتا ہے اور زبان پہ کچھ۔

پس ہمیں چاہئے کہ ہم وعدے کے پابند بنیں۔ اگر کوئی کام نہ کرنا ہو یا مشکل محسوس ہو تو ہمیں معذرت کر لینی چاہئے۔ ایک بار کی معذرت صرف ایک ہی بار تکلیف پہنچاتی ہے۔ لیکن وعدہ کر کے بار بار معذرت کرنے کی مسلسل تکلیف سے تو نجات مل جاتی ہے!!

آپ کا دوست ظفر محمود شیخ

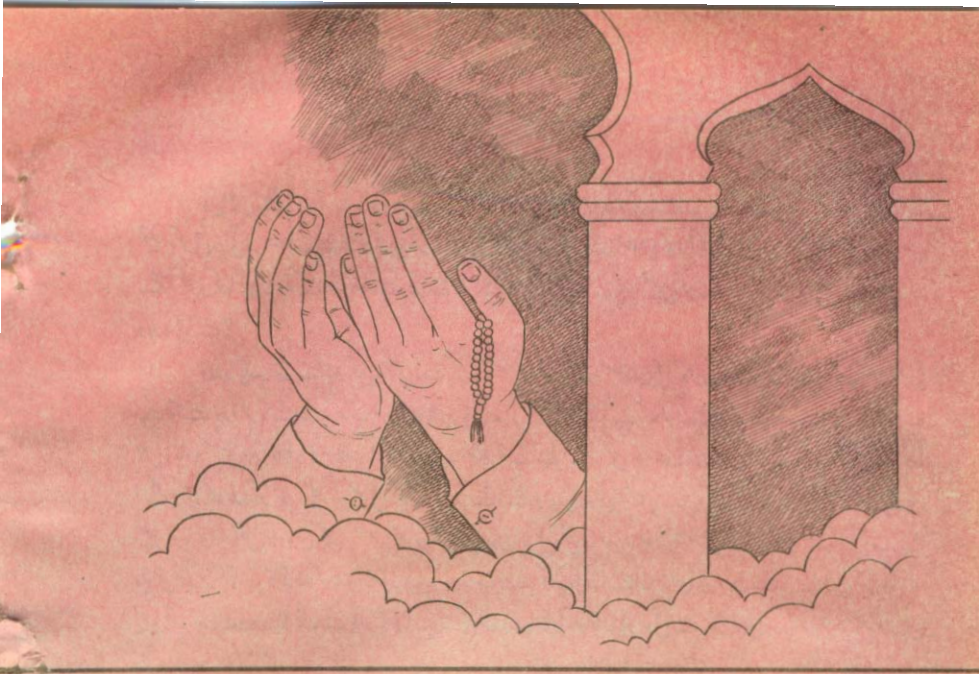

کیا چاہتا ہوں

جنید حفیظ

مری آرزو دیکھ کیا چاہتا ہوں
مدینے کی گلیاں ہوں میرا مقدر
صحابہؓ سا ایمان ہو میرے دل میں
مجھے کوئی دنیا کا لالچ نہیں ہے
تصور ہو تیرا دمِ واپسی پر
زباں پر ہو صل علیٰ کی حلاوت

میں قربِ رسولؐ خدا چاہتا ہوں
میں آگے درِ مصطفےٰ چاہتا ہوں
یہی زندگی کا مزا چاہتا ہوں
میں نامِ محمدؐ سدا چاہتا ہوں
میں کلمہ لبوں پر ترا چاہتا ہوں
غذا روح کی ہے، غذا چاہتا ہوں

جنید اب میرے دل میں ارماں یہی ہے
میں عشقِ رسولِ خدا چاہتا ہوں

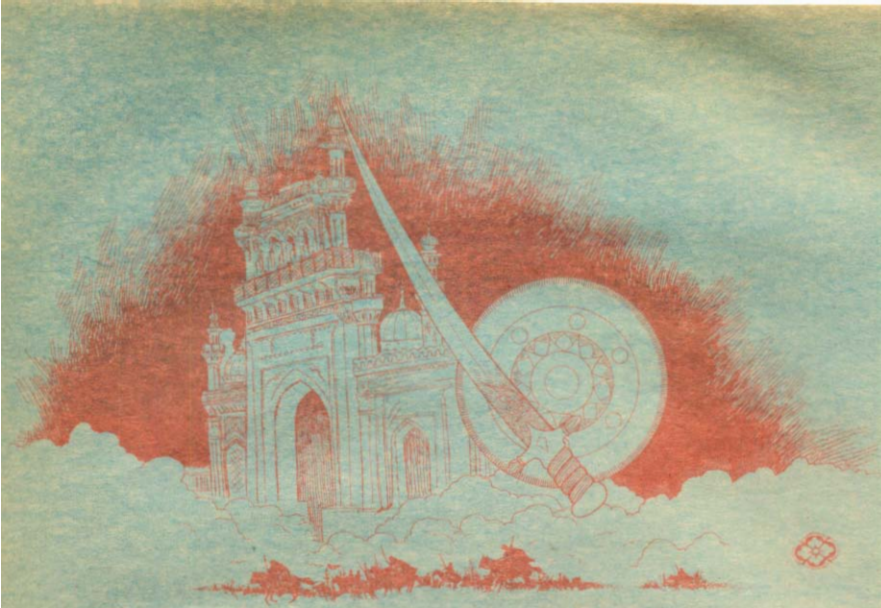

اور دُعا قبول ہو گئی

عاصم الدین

جنگ کے بعد فوجیں واپس شہر میں آچکی تھیں۔ ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔ کیونکہ اس بار دشمن کو زبردست نقصان پہنچایا گیا تھا۔ اس کے ستّر آدمی مارے گئے تھے۔ جبکہ خود ان کا معمولی نقصان ہوا تھا۔ لیکن اسی شہر میں ایک گھر ایسا بھی تھا جہاں بجائے خوشی کے ماتم ہو رہا تھا۔ یہ گھر ایک دولت مند قریشی خاتون سلافہ بنت سعد کا تھا اور یہ شہر مکہ تھا۔ اور یہ جنگ جس کا ذکر ہو رہا ہے جنگ اُحد تھی۔ سلافہ کے گھر ماتم کی وجہ یہ تھی کہ اس کے دو جوان بیٹے مسافع اور حارث جنگ میں مارے گئے تھے۔ عاصمؓ بن ثابت انصاری نامی ایک صحابی نے انہیں واصلِ جہنم کیا تھا۔ سلافہ بنت سعد بیٹوں کے غم میں پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ وہ چیخ رہی تھی اور عاصمؓ بن ثابت انصاری کو بُرا بھلا کہہ رہی

تھی۔ پھر جوش غضب سے اس نے ایک قسم کھائی۔ انتقام لینے کی قسم۔ اس نے عہد کیا کہ جب تک اپنے بیٹوں کے قاتل عاصمؓ کی کھوپڑی میں شراب نہیں پی لوں گی، چین سے نہیں بیٹھوں گی۔ چنانچہ اس نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص یثرب کے عاصمؓ بن ثابت کو زندہ پکڑ کر یا اس کا سر کاٹ کر میرے پاس لائے گا اسے اعلیٰ نسل کے سو اونٹ بطور انعام دوں گی۔

اس انعام کے لالچ میں اور مسلمانوں کو زک پہنچانے کی غرض سے قبیلہ بنو لحیان کے سردار سفیان بن خالد نے ایک سازش کے تحت قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کے چند آدمی مدینے بھیجے۔ وہ حضرت عاصمؓ کے والد کے مہمان بنے۔ یہ لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

"یا رسول اللہ! ہمارے قبیلے کے لوگ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں کچھ مبلغین ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔" اللہ کے نبی نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے حضرت عاصمؓ بن ثابت کی سربراہی میں دس برگزیدہ اہل علم صحابہؓ کی ایک جماعت روانہ کی۔ جب یہ جماعت وجیع کے مقام پر پہنچی تو کافر ساتھیوں نے پروگرام کے مطابق بنو لحیان کے قبیلے کو اطلاع کر دی کہ شکار آگیا ہے۔ چنانچہ دو سو لحیانی تیراندازوں نے ان نہتے مبلغین کو گھیرے میں لے لیا۔ اور للکار کے انہیں اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے کے لئے کہا۔ اللہ کے نبی کے جاں نثاروں نے جب حملہ آوروں کے یہ تیور دیکھے تو بڑی تیزی سے ایک قریبی ٹیلے پر چڑھ گئے۔ وہ کسی قیمت پر بھی کفار کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اہل حق کے اس مختصر گروہ کے قائد حضرت عاصمؓ بن ثابت انصاری نے بنو لحیان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے بدعہدو! کیوں عرب کی اعلیٰ روایات کو پامال کرتے ہو؟ کیا مہمانوں کو دھوکے سے بلا کر یوں قتل کرنا جائز ہے؟ اگر تمہارا یہی ارادہ ہے تو سن لو کہ ہم آخری دم تک تمہارا مقابلہ کریں گے۔"

اس پر لحیانیوں نے کہا!

"ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے۔ تمہارے ذریعے قریش مکہ سے کچھ مال و دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ اگر تم نیچے اتر آؤ تو ہماری پناہ میں ہو گے۔"

حضرت عاصمؓ نے مومنانہ جرأت سے بلند آواز میں کہا:

"خدائے واحد کی قسم! میں مشرکوں کے عہد و پیمان پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم ہرگز تمہاری پناہ نہیں لینا چاہتے۔"

کفار نے جب دیکھا کہ معاملہ کسی طرح بھی ان کے ہاتھ نہیں آرہا تو انہوں نے چاروں طرف سے ان بے کس اور گھر سے دور مسلمانوں پر تیروں اور بچھیوں سے حملہ کر دیا۔ حق کے ان متوالوں نے بڑی بے جگری اور ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ زندگی اور موت کی کشمکش کے اس خوفناک موقع پر

حضرت عاصمؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "جان سے پیارے میرے دینی بھائیو! ہم سے دھوکا ہوا ہے۔ مگر کوئی بات نہیں۔ شہادت کی حسین منزل بالکل ہمارے سامنے ہے۔ جنت اور اس کی رحمتیں ہماری منتظر ہیں۔"

مسلمانوں نے اپنے ترکش سنبھال لئے اور کافروں کے تیروں کا جواب تیروں سے دیا۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا۔ لیکن کہاں دس افراد اور کہاں دو سو مسلح لوگوں کا جتھہ۔ جلد ہی اکثر ساتھی زخمی ہو گئے۔ حضرت عاصمؓ کو معلوم تھا کہ زندگی کے آخری لمحات میں مجاہد کی دعا اللہ کی بارگاہ میں ضرور قبول کی جاتی ہے۔ حضرت عاصمؓ نے اپنے مالک سے دعا مانگی: "الٰہی! ہم تیری راہ میں مظلومانہ مارے جا رہے ہیں۔ میں نے پہلے دن سے تیرے دین کی حمایت کی اور اب تیری حمایت کا طلب گار ہوں۔ میں نے تجھ سے عہد کیا تھا کہ نہ تو خود کسی مشرک کا جسم مَس کروں گا اور نہ کسی مشرک کو اپنا جسم چھونے دوں گا۔ مرنے کے بعد میرے جسم کی حفاظت تیرے ذمے ہے۔"

مجاہد کی دعا، منہ سے نکلی اور بارگاہِ ایزدی میں قبول ہو گئی۔ حضرت عاصم رجزیہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ دشمن کی صفوں میں ہل چل مچ گئی۔ ہر طرف تلواروں کی چمک تھی۔ اللہ اکبر کا نعرہ کفار کے نعروں پر غالب آ رہا تھا۔ آخر بے جگری اور بہادری سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اور خدا کے مقبول و محبوب بندوں میں شامل ہو گئے۔ مشرکین نے ان کا سر کاٹنا چاہا مگر دعائے مستجاب آڑے آ گئی۔ شہد کی مکھیوں اور بھڑوں کا ایک غول اچانک نمودار ہوا اور اس نے لاش کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ جو بھی کافر آگے آتا، وہ زخموں سے چور ہو جاتا۔ آخر مشرکوں نے لاش وہیں چھوڑ دی۔ ان کا خیال تھا کہ جھنڈ تھوڑی دیر میں اڑ جائے گا۔ اس کے بعد سر کاٹ لیں گے۔ لیکن یہ خدائی پہرے دار دن بھر لاش کے محافظ بنے رہے۔ رات کو زور کی بارش ہوئی جس نے سیلاب کی صورت اختیار کر لی اور اسی میں حضرت عاصمؓ کا جسم مبارک بہہ گیا اور ہزار کوشش کے باوجود کافروں کے ہاتھ نہ آیا۔ خدائے رحیم نے ان کے جسم کو بے حرمتی سے بچا لیا اور کوئی کافر ان کو مَس نہ کر سکا۔ زندگی میں اور شہادت کے بعد بھی۔

قول رسولؐ

- اس کا ایمان نہیں جس میں امانت نہیں اور نہ ہی اس شخص میں دین ہے جس میں عہد و پیماں نہیں۔
- مسلمانو اپنے بڑوں کے پاس بیٹھا کرو عالموں سے سوال کیا کرو اور دانشمندوں سے ملا کرو۔
- حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔
- اللہ کے گھروں کو آباد کرنے والے اور ان کی خدمت کرنے والے اللہ کے دوست اور محبوب

مرسلہ عائشہ گل۔ کراچی

سازش

مقداد اعظم

"چچ چچ۔ بہت افسوس ہوا یار تمہاری حق تلفی کا سن کر۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اس منیجر کے بچے کو چھٹی کا دودھ یاد دلایا دیتا۔"

"واقعی اس کا فیصلہ عجیب ہی ہے۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ محض پرانا کھلاڑی ہونے کی بنیاد پر خالد کو کپتان بنا دیا۔"

"یار ساجد ویسے تم ہو گھامڑ۔ کم از کم اس معاملے کو وہاں زیرِ بحث تو لاتے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات سن لی جاتی۔ آخر تم ٹیم کے بہترین بیٹسمین ہو۔"

"دراصل مجھے اپنے کپتان منتخب ہونے کا پورا یقین تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سینیارٹی کی بنیاد پر خالد کو کپتان بنا دیا جائے گا جو ایک عام سا بولر ہے۔ یہ واقعہ اتنا اچانک پیش آیا کہ میں فوری طور پر کوئی قدم نہ اٹھا سکا۔"

"اب کیا ہو گا؟"

"تم فکر نہ کرو۔ انشاء اللہ صورتِ حال ہمارے حق میں ہو گی۔"

ساجد اور عمران بہت گہرے دوست تھے۔ وہ کلاس فیلو بھی تھے اور ہمسائے بھی اور اپنے محلے کی

کرکٹ ٹیم کے عمدہ آل راؤنڈر بھی۔ دونوں ٹیم کے کافی سینئر کھلاڑی تھے۔ ساجد کی بیٹنگ تو ٹیم کی لئے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی تھی۔ ہر مشکل مرحلے پر وہ لازوال بیٹنگ کا مظاہرہ کرتا تھا۔ اگر کبھی وہ جلد آؤٹ ہو جاتا تو پوری بیٹنگ لائن اپ ہی فیل ہو جاتی تھی۔

آج کا ان کا مسئلہ یہ تھا کہ ان کی ٹیم کا کپتان پڑھائی کی خاطر شہر سے باہر چلا گیا تھا جس کے نتیجے میں موجودہ اور سابقہ کھلاڑیوں کا اجلاس ہوا تھا جس میں نئے کپتان کے نام کا اعلان کیا جانا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ساجد کے کارناموں کی وجہ سے اسی کو کپتان مقرر کیا جائے گا لیکن سینیارٹی کی بنیاد پر خلد کو کپتان بنا دیا گیا جس کا انہیں بہت دکھ تھا اور وہ اپنا آئندہ لائحہ عمل تیار کر رہے تھے۔ ویسے دیکھا جائے تو اجلاس کا فیصلہ درست تھا چونکہ خالد بہت پرانا ٹیم ممبر تھا اس کے علاوہ بہت اچھا بولر بھی تھا اور کچھ عرصہ نائب کپتان بھی رہا تھا۔ اس نے کپتان بنتے ہی اپنی پرانی حریف ٹیم سپر الیون کو چیلنج کیا۔

آج ان کی ٹیم پاک الیون کا سپر الیون کے ساتھ پچیس اوورز کا میچ تھا۔ جمعہ کا دن تھا۔ دونوں محلوں کے بہت سے لوگ میچ دیکھنے کے لئے گراؤنڈ میں جمع تھے۔ ٹاس ہوا جو سپر الیون نے جیت لیا اور پہلے بیٹنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے پچیس اوورز میں ایک سو انچاس اسکور کیا۔ اننگز کی خاص بات سپر الیون کے کپتان کی نصف سنچری اور پاک الیون کی جانب سے ساجد کا ایک ڈراپ کیچ تھا۔ اس کے بعد پاک الیون کی بیٹنگ آئی۔ خاص طور پر ساجد اور اس کے علاوہ کسی حد تک طارق کی شمولیت کی وجہ سے پاک الیون اس میچ کو جیتنے کے لئے ہارٹ فیورٹ تھی۔ انہوں نے آغاز بھی اچھا کیا۔ جاوید اور احمد ان کی جانب سے اوپننگ کرنے آئے۔ پانچ اوورز میں بغیر کسی نقصان کے بیس رنز بنے اس موقع پر ان کے حوصلے بہت بلند تھے لیکن پھر مخالف ٹیم کی طرف سے بولنگ میں تبدیلی ہوئی اور دو نئے بولروں نے گیند سنبھال لی۔ انہوں نے ایسی طوفانی بولنگ کا مظاہرہ کیا کہ دسویں اوورز میں چالیس رنز اور پانچ کھلاڑی آؤٹ۔ لیکن اس موقع پر پاک الیون کے حق میں یہ بات جاتی تھی کہ کریز پر ساجد اور طارق کی جوڑی اب اکٹھی ہوئی تھی۔ دونوں خطرناک بولروں کے اوور ختم ہو چکے تھے اور اب عام سے بولر باقی تھے۔ پوری امید تھی کہ یہ دونوں بیٹسمین ٹیم کو مشکل وقت سے نکال لیں گے لیکن بارھویں اوور میں ساجد ایک غیر ضروری جارحانہ اسٹروک کھیلنے کی کوشش میں کلین بولڈ ہو گیا۔ اس کے بعد پاک الیون سنبھل نہ سکی اور پچیس اوورز میں نو کھلاڑیوں کے نقصان پر اسی اسکور بنا سکی۔ اسے سپر الیون سے اناسی رنز کی شکست ہوئی جو ایک ذِلت آمیز شکست تھی۔ اس کے بعد دوبارہ پاک الیون کے ممبرز کا اجلاس بلایا گیا۔

"یار عرفان تم سے یہ امید نہ تھی اور مجید تم بھی صفر پر اڑ گئے۔ کچھ دیر تو رکتے کم از کم اتنی ذلت

آمیز شکست تو نہ ہوتی۔" کپتان خالد نے دو کھلاڑیوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔"اور ساجد تمہیں اتنی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی اچھے بھلے کھیل رہے تھے کہ آؤٹ ہو کر چلے آئے۔"

"واقعی مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بہرحال آئندہ خیال رکھوں گا۔" ساجد نے خوب ندامت کا اظہار کیا۔

"تم اگر اس طرح آؤٹ نہ ہوتے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ ہم ہارتے۔ تمہارے ساتھ طارق تھا۔ تم دونوں بہت اچھے بیٹسمین ہو اور پھر بولنگ بھی اب کچھ خاص نہیں ہو رہی تھی۔ طارق تو آخر تک آؤٹ نہیں ہوا تھا۔"

"اچھا اب جانے بھی دو۔ تم نے بھی کوئی خاص کپتانی نہیں کی۔ ایک وکٹ لی اور صفر پر آؤٹ ہوئے۔ یہ ساری باتیں جو تم ہمیں اب سمجھا رہے ہو یہ تو تمہیں اس وقت ہمیں بتانی چاہئے تھیں اس وقت تو کہتے تھے کہ رن ریٹ گرنا نہیں چاہئے تیز کھیلو۔ بس تیز کھیلنے کی کوشش میں سارے آؤٹ ہوئے۔" ساجد نے کہا اور عرفان، مجید اور خصوصاً عمران نے اس کی حمایت کی۔ یہ سب اس وقت میٹنگ روم میں جو کہ ایک سابقہ کھلاڑی کا ڈرائنگ روم تھا، بیٹھے تھے اور کچھ ہی دیر کے بعد میٹنگ شروع ہونے والی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد میٹنگ شروع ہوئی۔

"میرے خیال میں منیجر صاحب ہمیں کپتان کے متعلق اپنا قانون تبدیل کر دینا چاہئے۔ اب یہ تو نہیں ہونا چاہئے کہ ایک نااہل کھلاڑی محض اس وجہ سے ٹیم کا کپتان بنا رہے کہ وہ باقی سب سے سینئر ہے اور پھر ریٹائر منٹ تک کپتان ہی رہے۔" ساجد نے اجلاس شروع ہوتے ہی اپنا بیان داغ دیا۔ اس کی بات سنتے ہی سب میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ منیجر نے جو، ان کی ٹیم کا سابقہ کھلاڑی تھا، اس بات کو غور سے سنا اور بولا "میرے خیال میں تمہاری بات قابل غور ہے لیکن پھر یہ تو بتاؤ کہ کپتان کس طرح مقرر کئے جائیں؟ میرا مطلب ہے کہ اپنی تجویز ذرا وضاحت اور تفصیل سے پیش کرو۔"

"میری رائے ہے کہ بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے کھلاڑی کو کپتان مقرر کیا جائے۔ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ بہترین کارکردگی کس کی ہے۔ ایک ہائی کمان بنا دی جائے جو ٹیم کے سابقہ ممبروں پر مشتمل ہو۔ اس میں موجودہ ممبر شامل نہیں ہو سکتے۔ یہی ہائی کمان دیگر فیصلے بھی کیا کرے۔ کپتان بننے والا کھلاڑی کم از کم دس میچوں تک کپتان رہے گا۔ اس دوران وہ رضاکارانہ طور پر کپتانی سے دستبردار ہونا چاہے تو ہو سکے گا۔ دس میچوں کے بعد ہائی کمان پورے ریکارڈ کا جائزہ لے گی۔ اگر ان دس میچوں میں سے کم از کم پانچ میچ ٹیم نہ جیت سکی تو کپتان کو ہٹا کر نیا کپتان لایا جائے گا۔ جو وہی ہو گا جس نے گزشتہ دس میچز کے دوران بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہو گا۔ کوئی کپتان رضاکارانہ طور پر اپنے دوست کو کپتانی کی پیشکش کر

سکتا ہے۔"

ساجد کی تجویز کو معمولی ترامیم کے بعد آئین کا درجہ دے دیا گیا۔ ہائی کمان تشکیل دی گئی جس نے فیصلہ کیا کہ خالد بطور کپتان ایک میچ ہار چکا ہے۔ اگر وہ باقی نو میچوں میں سے پانچ نہ جیت سکا تو اس کو کپتانی سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ لیکن پاک الیون اس کے بعد لگاتار پانچ میچ ہار گئی جس کے بعد خالد کو فوری طور پر کپتانی سے علیحدہ کر دیا گیا۔ ہائی کمان کا اجلاس ہوا اور اس میں اہم فیصلے کئے گئے۔ کپتان کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ بتایا گیا کہ کپتان کو خط کے ذریعے اس کے عہدے سے آگاہ کیا جائے گا۔

ہائی کمان کا اجلاس ہوئے دوسرا دن تھا۔ ساجد اور عمران، ساجد کے گھر میں بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ دونوں بے حد خوش تھے۔ ان کا منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ منصوبے کی تفصیلات یہ تھیں کہ ساجد جو ٹیم کی بیٹنگ لائن کی ریڑھ کی ہڈی ہے، اہم مواقع پر آؤٹ ہو جایا کرے گا۔ اس کے علاوہ چیدہ چیدہ کیچز ڈراپ کئے جائیں گے اور مس فیلڈنگ اس کے علاوہ ہوگی۔ اس کام میں اہم مواقع پر عرفان اور مجید بھی ساجد کا ساتھ دیں گے جبکہ عمران جو کہ ایک اچھا آل راؤنڈر ہے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرے گا تاکہ کپتان منتخب ہو سکے۔ اس کے بعد ساجد اور عمران دونوں کبھی کبھی رضا کارانہ طور پر ایک دوسرے کو کپتانی منتقل کر دیا کریں گے اور یوں کپتانی پر ہمیشہ ان کا قبضہ رہے گا۔ ویسے یہ منصوبہ زیادہ تر ساجد نے ہی ترتیب دیا تھا۔ عمران بنیادی طور پر اس کے خلاف تھا، محض دوستی کی بنیاد پر اس میں حصہ لے رہا تھا۔ اب ان کا منصوبہ کامیاب ہو چکا تھا۔ گزشتہ روز یہ دونوں ہائی کمان کے ایک رکن سے ملے تھے تو اس نے انہیں بتایا تھا کہ ایک خط ان کے نام جاری ہو رہا ہے جو آج شام چار بجے ان کو مل جائے گا۔ لہٰذا یہ اب اس خط کا انتظار کر رہے تھے۔

"یار ساجد چار تو بج گئے ہیں لیکن ابھی تک خط نہیں پہنچا۔"

"بڑی جلدی ہے تمہیں کپتان بننے کی۔ تھوڑا صبر سے کام لو۔ ویسے کپتان بننے کے بعد کیا کرو گے؟"

"سب سے پہلے ان تمام ٹیموں سے میچوں کا بندوبست کروں گا جن سے ہم نے شکست کھائی ہے تاکہ ہمارا ریکارڈ درست ہو سکے۔"

"مجھے کپتانی کب منتقل کرو گے؟"

"کہتے ہو تو آج ہی کر دیتا ہوں ویسے ایک بات ہے کہ پہلے کچھ میچ کھیل کر کچھ کارکردگی دکھاؤ ورنہ سب اعتراض کریں گے۔"

"ہاں یہ بھی درست ہے۔ ویسے خالد سے ہم نے خوب بدلہ لیا۔ بے چارا چھ کے چھ میچ ہار گیا۔"

"ہاں حالانکہ ہمیں یوں کرنا نہیں چاہئے تھا۔ مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔" اسی وقت عرفان ایک خط لے کر پہنچا۔ خط کا پتہ دیکھ کر انہیں حیرت

ہوئی چونکہ وہ ساجد کے نام تھا حالانکہ اسے عمران کے نام ہونا چاہئے تھا۔ ساجد نے اسے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

عزیز دوست ساجد!

السلام علیکم، پہلی خبر آپ کے لئے یہ ہے کہ آپ کے موجودہ کپتان خالد کو اسی درسگاہ میں داخلہ مل گیا ہے جہاں سابقہ کپتان پڑھ رہے ہیں۔ خالد کا نام ویٹنگ لسٹ میں تھا۔ لہٰذا اب وہ ہماری کرکٹ ٹیم سے ریٹائر ہو رہے ہیں...... ان کی الوداعی پارٹی کل ہوگی۔ اگر سینیارٹی کی بنیاد پر کپتان مقرر کیا جانا ہوتا تو غالباً آپ ہی ہوتے چونکہ اب آپ ٹیم میں سب سے سینئر کھلاڑی ہیں۔ لیکن نئے قوانین کے تحت گزشتہ چھ میچز میں اعلیٰ کارکردگی کی بنیاد پر عمران کو کپتان مقرر کیا جارہا ہے۔

آپ پریشان ہوں گے کہ آخر یہ خط آپ کو کیوں لکھا گیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے پوری ٹیم کی چھ میچوں کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ تو ہمیں معلوم ہوا کہ آپ کی کارکردگی انتہائی ناقص رہی ہے۔ آپ نہ صرف بیٹنگ میں بُری طرح ناکام رہے تمام میچوں میں، بلکہ آپ نے تقریباً ہر میچ میں کیچز ڈراپ کئے اور بہت مس فیلڈنگ بھی کی۔ ایک میچ میں آپ نے بیس اوورز کی بیٹنگ کی لیکن رنز صرف دس بنائے۔ ان شکستوں میں بڑا ہاتھ آپ کی ناقص کارکردگی کا رہا ہے۔ آپ کی کارکردگی کا گراف اس اوسط سے بے حد نیچے رہا جو پاک الیون کے کسی کھلاڑی کے لئے ضروری ہے۔ ہائی کمان بہت غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ آپ کی صلاحیتوں کو زنگ لگ چکا ہے اور آپ کی میعاد اب پوری ہو چکی ہے۔ چنانچہ آپ کو اب ریٹائر کر دینا چاہئے۔ آپ کی جگہ وسیم کو ٹیم میں شامل کیا جارہا ہے۔ آپ کو علم ہوگا کہ ریٹائرڈ کھلاڑی ہماری ٹیم میں دوبارہ شامل نہیں ہو سکتے لہٰذا انتظامیہ نے آپ کے لئے کل صبح ایک الوداعی پارٹی کا انتظام کیا ہے آپ سے درخواست ہے کہ آپ آج شام انتظامیہ سے ملیں تاکہ پارٹی کا انتظام آپ کی حسبِ خواہش کیا جاسکے۔ شکریہ۔

والسلام

چیئرمین ہائی کمان

خط ساجد کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا اور اسے یوں محسوس ہونے لگا کہ جیسے پورا کمرہ گھوم رہا ہو۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگا۔

گزشتہ ماہ یاسر اعوان کی خوب صورت بلا عنوان کہانی شائع کی گئی۔ ہمیں بہت سے ساتھیوں کے اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ تین بہترین عنوان جو انعام کے حقدار قرار پائے درج ذیل ہیں:۔

"ایسا بھی ہوتا ہے" رضوان حسین نقوی، کراچی

"تتلی، لوٹ اور آئسکریم" ارقم اسامہ، کراچی

"سزا مل گئی ناں" سنبل، راولپنڈی

چھٹی کی گھنٹی

شبیر بیگ ناز

لو چھٹی کی گھنٹی بجی
لگ گئی ہر سو چلا چلی

بچّوں کا اُمڈا سیلاب
سب گھر جانے کو بیتاب

جاگ اٹھی ہے ہر ریڑھی
چوکس قلفی والا بھی

چورن والے کی آواز
اس کا ہے اپنا انداز

کچھ بچّے ہیں کاروں میں
کچھ بیٹھے ہیں تانگوں میں

جن کے ہیں نزدیک مکاں
وہ پیدل ہی رواں دواں

پیارے بچّوں کی خوشبو
پھیلی ہے دیکھو ہر سُو

منظر ایک اور رنگ کئی
جیون کے ہیں ڈھنگ کئی

یہی ہے میرے دیس کی شان،
یہی ہے میرا پاکستان

مکان

کرائے کے لئے خالی ہے

صدیق کی دلچسپ شگفتہ کہانی

صابر صاحب مکان کے سلسلے میں بہت پریشان تھے۔ اس شہر میں ان کی پوسٹنگ کو مہینہ گزر چکا تھا۔ مگر رہائش کا مسئلہ ہنوز حل طلب تھا۔ فی الحال وہ اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مگر کب تک! ایک دن مہمان، دو دن مہمان، تیسرے دن بلائے جان والے محاورے سے وہ خوب واقف تھے۔ مکان کی تلاش میں مارے مارے پھرتے تھے۔ جیب ہلکی ہو تو مکان کی تلاش بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ ایسے میں جب ان کے دفتر کے ساتھی ریاض صاحب نے کہا۔

"ارے! عظیم پلازہ میں میرا ڈیڑھ کمرے کا گراؤنڈ فلور پر فرنشڈ فلیٹ ہے..... آج کل خالی پڑا ہے..... پہلے کرایہ دار رہتے تھے۔ ان کے جانے کے بعد آج کل میں اپنا گھر بار چھوڑ کر وہاں سو رہا ہوں۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے۔ خالی مکان دیکھ کر لوگ قبضہ جما لیتے ہیں۔ فلیٹ قدرے پرانے زمانے کا ہے پھر بھی اس کا ایڈوانس "دس ہزار" سے کم نہیں۔ مگر اب آپ سے کیا سودا بازی کرنا، آپ ڈھائی ہزار دیجئے..... اور بسم اللہ کر کے سامان لے آئیے..... کرایہ جو مناسب سمجھیں دیتے رہیئے!

صابر صاحب ششدر رہ گئے۔ جب انہوں نے چٹکی کاٹ کر خود کو یقین دلانا چاہا کہ جو کچھ سنا وہ حقیقت ہی تھی، تو ریاض صاحب چیخ اٹھے۔ جس سے نہ صرف صابر صاحب کو یقین آ گیا بلکہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انہوں نے غلطی سے چٹکی اپنے ہاتھ پہ کاٹنے کے بجائے ریاض صاحب کے کاٹ

لی تھی۔ بہر حال جونہی یقین آیا انہوں نے ڈھائی ہزار نکالے اور ریاض صاحب کے سامنے دھر دیئے..... کہ کہیں ان کا ارادہ بدل نہ جائے۔

آج وہ فلیٹ کا معائنہ کرنے آئے تھے۔ اپارٹمنٹ کی عمارت دیکھ کر ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ فلیٹس نہایت بوسیدہ، تنگ و تاریک اور سیلن زدہ ہوں گے۔ مگر رہنے کو چھت میسر آجائے، اس وقت یہی بہت تھا..... اپارٹمنٹ کی سیڑھی پہ پان کے اتنے داغ نظر آئے جیسے لوگ دور دور سے یہاں پان کی پیک تھوکنے آتے ہوں۔ دل ہی دل میں شکر بجالائے کہ ان کا فلیٹ گراؤنڈ فلور پہ ہے اور انہیں سیڑھیوں سے کم ہی واسطہ پڑے گا۔ لیکن فلیٹ کی حالت دیکھ صابر صاحب کی اپنی حالت خراب ہو گئی۔ مکان انتہائی مخدوش ہو چکا تھا۔ جگہ جگہ سے دیوار اور چھت کا پلستر جھڑ رہا تھا۔ انہوں نے ریاض صاحب کو دیکھا جو اپنے ہی فلیٹ کو ایسی تعریفی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے پہلی بار دیکھ رہے ہوں۔

"جناب! آپ کو کبھی مکان کی مرمت کرانے کا خیال نہیں آیا؟" صابر صاحب نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بے چارگی سے آہ بھر کے پوچھا۔

جی ہاں! کئی بار..... لیکن جب بھی مرمت کرانے کی کوشش کی..... اوپر کے فلیٹ والوں نے ہماری "مرمت" کر دی۔

"ایں! وہ کیوں؟" صابر صاحب دنگ رہ گئے۔

"بھئی جب ہم نے اپنی چھت کا پلستر کرانے کے لئے پرانا پلستر کھرچنا شروع کیا تو اوپر والوں کا فرش اکھڑ گیا۔ اور انہوں نے نیچے آکر ہماری اچھی خاصی "مرمت" کر دی..... لیکن دیکھئے بیڈ روم کی چھت نسبتاً اچھی حالت میں ہے۔"

"وہ تو ہے..... مگر یہ کونے کی دیوار پہ چھت سے سفید سفید کیا چیز بہہ رہی ہے؟" صابر صاحب نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"یہ ٹوتھ پیسٹ کا جھاگ ہے..... اوپر کے فلیٹ سے بہہ کر نیچے آرہا ہے۔"

ریاض صاحب نے بڑی تفصیلی وضاحت فرمائی۔

"اوہ میرے خدا! یعنی حد ہو گئی..... اوپر والوں کا ٹوتھ پیسٹ بہہ کر نیچے آرہا ہے!" صابر صاحب چلا اٹھے۔

جی ہاں! مجھے خود تعجب ہے..... کیوں کہ اوپر جو صاحب رہتے ہیں..... ان کے منہ میں ایک دانت نہیں..... پھر ٹوتھ پیسٹ کا کیا سوال؟ معاملہ خاصا پر اسرار ہے!" "پر اسرار کے بچے! چھت میں جہاں "رساؤ" ہے وہاں سیمنٹ کیوں نہیں لگواتے؟" صابر صاحب دل میں کچکچا کر رہ گئے۔ پھر تاسف سے سر ہلا کر بولے۔

"ہوں معاملہ واقعی پر اسرار ہے۔"

"پر اسرار پہ یاد آیا..... اس فلیٹ کی ہر چیز خاصی پرانی ہے۔ لہٰذا کنڈے، کھڑکیوں کے کواڑ

غرض ہر چیز قبضے کمزور ہونے کے سبب خود بخود ہلتی اور شور مچاتی رہتی ہے اور مزے کی بات یہ کہ آس پاس والوں کو پورا یقین ہے کہ اس مکان میں "جن بھوت" رہتے ہیں!"

"حالانکہ اس میں آپ رہتے ہیں!" صابر صاحب نے ریاض صاحب کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے میاں میں تو صرف سوتا ہوں..... وہ بھی اس لئے کہ خالی گھر دیکھ کر کسی کی نیت خراب نہ ہو جائے۔"

"ہونہہ!" صابر صاحب نے سر جھٹکا "اگر کسی کو قبضہ ہی کرنا ہوا..... تو کسی ڈھنگ کے فلیٹ پہ نہ کرے گا۔"

"آپ نے فرمایا کہ فلیٹ ڈیڑھ کمرے کا ہے..... باقی آدھا کمرہ کہاں ہے؟" صابر صاحب نے بد مزہ ہو کر پوچھا۔

"وہ سامنے کوٹھری نما اسٹور ہے..... مگر یہ زیر استعمال نہیں..... اس میں وہ سامان پڑا ہے جو ضائع ہو گیا!"

"اچھا! یعنی سابقہ کرائے دار؟" پھر صابر صاحب نے گردن لمبی کر کے اسٹور میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"ارے! یہاں تابوت کیوں رکھا ہے؟"

تابوت..... کک..... کہاں؟ ریاض صاحب چکرا کر گرتے گرتے بچے پھر سنبھل کر بولے۔

"افوہ! بھئی وہ تابوت تھوڑی ہے، وارڈ روب ہے، کپڑے رکھنے کی الماری!"

"الماری! مگر یہ زمین پہ لیٹی ہوئی کیوں ہے؟ صابر صاحب گڑبڑا کر بولے۔ "ارے بھئی دیوار گیر الماری تھی، ایک کرایہ دار اکھاڑ گیا، دوسرا لٹا گیا۔"

"توبہ یہاں جالے اس قدر لگے ہیں کہ اندر جانا بھی مشکل ہے!" صابر صاحب تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے بولے۔

"یہ پچھلے کرایہ دار لگا کر گئے تھے۔ میرا اس میں کوئی ہاتھ نہیں!" ریاض صاحب نے بری الذمہ ہونے کی کوشش کی۔ اور صابر صاحب کا دھیان بٹانے کو بولے۔

"دیکھئے یہ کونے میں باورچی خانہ ہے....."

"کیا!!" صابر صاحب چیخ اٹھے۔ "اتنا سا باورچی خانہ؟ کیا میں چولھے کے اوپر کھڑا ہو کر کھانا پکاؤں گا؟"

"ارے جناب! آپ اکیلے آدمی..... آپ کو باورچی خانے کا کیا کام!"

"اچھا! مگر یہ باورچی خانے کے بغل میں اتنی جمازی سائز کھڑکی بنانے کا کیا مقصد ہے، اس میں سلاخیں وغیرہ بھی نہیں ہیں اور یہ کھلتی بھی باہر کی جانب ہے!"

"میاں! یہ ایمرجنسی کے لئے ہے..... مطلب یہ کہ اگر مکان میں آگ لگ جائے، بیرونی دروازہ جام ہو جائے، یا پھر ڈاکو گھس آئیں تو ایمرجنسی میں صاحب خانہ اس سے باہر نکل سکے

گا!"

"اور اگر..... ڈاکو کوایمرجنسی ہو تو وہ اسی کھڑکی سے اندر آسکے گا!! خوب بہت خوب! کیا غضب کی منصوبہ سازی ہے۔ کہاں ہے اس مکان کا نقشہ ساز، میں اس کے ہاتھ چومنا چاہوں گا!"

"اس کے ہاتھ چومنے کے لئے آپ کو جہنم میں جانا ہو گا..... کیوں کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے!"

صابر صاحب نے دو تین بار سر جھٹکا اور باتھ روم اور ٹوائلٹ کا جائزہ لینے لگے۔

"یہ فلش کی ٹنکی کام بھی کرتی ہے یا نہیں؟ یعنی پانی تو گرتا ہے نا اس میں سے؟" صابر صاحب نے زنگ آلود ٹنکی کو مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں!! کیوں نہیں مگر..... کبھی پانی گرتا ہے تو کبھی ٹنکی..... زیادہ تر پانی ہی گرتا ہے!"

"دیکھئے جناب! مجھے کہنے دیجئے کہ آپ نے مجھے خوب بے وقوف بنایا ہے ورنہ....."

"دیکھو میاں! ایک تو یہ کہ میں اللہ کے کاموں میں دخل نہیں دیتا..... دوسری بات یہ کہ میں نے کہا تھا کہ ڈیڑھ کمرے کا فرنشڈ فلیٹ ہے۔ فرنیچر اور فلیٹ کیسا ہے یہ آپ نے پوچھا نہ میں نے بتایا۔ پھر بے وقوف بنانے کا کیا سوال؟ ویسے بھی آپ ایڈوانس دے چکے ہیں۔ اب کیا ہو سکتا ہے؟" بس اپنا سامان لے آیئے..... فلیٹ ٹھیک ٹھاک کر کے گزارہ کر لیجئے۔ میری رائے میں تو فلیٹ کچھ ایسا برا نہیں۔"

صابر صاحب "صابر" ہونے کے باوجود کھول کر رہ گئے۔ بہر حال مرتا کیا نہ کرتا کہ مصداق اپنا مختصر سا سامان اٹھا لائے اور سوچا کہ فی الحال تو سو رہیں، صبح دیکھیں گے کہ اس گھر کو رہنے کے قابل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔"

رات کو جب چارپائی پہ لیٹے تو کافی دیر تک نیند نہ آئی۔ نئی جگہ ویسے ہی نیند اتنی آسانی سے نہیں آتی۔ پھر نہ جانے کیوں رات کے اندھیرے میں انہیں فلیٹ کچھ زیادہ ہی خوفناک اور پر اسرار لگنے لگا تھا۔ جیسے شہر کا فلیٹ نہ ہو، مصر کا کوئی تکون مقبرہ ہو۔ کمرے میں زیرو بلب نہ تھا۔ ٹیوب لائٹ بند ہوتے ہی گھپ اندھیرا چھا گیا تھا۔ آدھی رات تک کروٹیں بدلنے کے بعد بالآخر انہیں نیند نے آلیا..... ابھی نیند گہری بھی نہ ہوئی تھی کہ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ان کی اوڑھی ہوئی چادر (جس کا کونہ لٹک رہا تھا) پائینتی کی جانب سے کوئی کھینچ رہا ہے۔ ان کی آنکھ کھل گئی۔ کئی بار پلکیں جھپکا کر دیکھا اور سوچا کہ شاید انہیں وہم ہوا ہے..... لیکن چادر سفید تھی اور اندھیرے میں سرکتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ چادر سینے سے سرکتی ہوئی گھٹنوں کی جانب جا رہی تھی..... خود بخود!! انہیں چادر کے ساتھ اپنا دم بھی سرکتا ہوا محسوس ہوا۔ ہر چند کہ وہ کوئی بزدل آدمی نہ تھے مگر صورت حال کچھ ایسی تھی کہ وہ دہشت زدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایک انجان اور ویران سے گھر میں، رات

کے گھُپ اندھیرے اور سناٹے میں کوئی ان کی چادر کا کونہ کھینچ رہا تھا۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جس سے وہ نظر نہ چرا سکتے تھے ...... لائٹ کا سوئچ بہت دور تھا۔ انہوں نے اٹھنا چاہا تو یوں محسوس ہوا جیسے سارا جسم پتھر کا ہو گیا ہو اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی ...... ان کے کانوں میں مالک مکان کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"مزے کی بات یہ کہ اہل محلّہ کو پورا یقین ہے کہ اس مکان میں "جن بھوت" رہتے ہیں! اور ہاں یہ جھاگ نہ معلوم کہاں سے آرہا ہے، جب کہ اوپر جو صاحب رہتے ہیں ان کے منہ میں ایک دانت نہیں..... پھر ٹوتھ پیسٹ کا کیا سوال؟ معاملہ بہت پر ...... اسرار ہے! دروازے، کنڈے، کھڑکیوں کے کواڑ خود بخود ہلتے اور شور مچاتے رہتے ہیں ......"

صابر صاحب کو سارے جسم میں چونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔ چادر مسلسل حرکت کر رہی تھی اور سرکتے سرکتے ان کے پاؤں تک پہنچ گئی تھی۔ اچانک ان کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی کیوں کہ کسی نے ایک جھٹکا مار کر ان کی چادر کھینچ لی تھی اور اب چادر زمین پر پڑی تھی۔ ان کا پورا جسم کپکپا کر رہ گیا...... غیر شعوری طور پر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھے۔ ان کے اٹھتے ہی ایک انتہائی "عجیب و غریب" شکل کا کالا بِلّا وہاں سے کود کر بھاگا۔ ایک لمحے کو وہ چکرا کر رہ گئے کہ وہ بِلّا ہی تھا یا کوئی بَلا؟ کیوں کہ اس کی شکل بلی جیسی نہیں تھی!

ان کا جسم پسینے سے بھیگ چکا تھا ...... انہوں نے اٹھ کر لائٹ جلائی اور حواس بحال کرنے کے لئے دو گلاس پانی پیا...... باورچی خانے سے کھٹر پٹر کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں...... معلوم نہیں ان کے کان بج رہے تھے یا واقعی ایسا ہو رہا تھا...... بہرحال وہ اپنے بستر پہ ہی بیٹھے رہے...... کچھ ہی دیر بعد صبح ہو گئی۔ ان کا سر بہت بھاری ہو رہا تھا...... رات کی وحشت قدرے دور ہو چکی تھی۔ مگر اب بھی گھبراہٹ سی طاری تھی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اس فلیٹ میں ہر گز نہیں رہیں گے خواہ مالک مکان ان کا دیا ہوا ایڈوانس ضبط کرے۔ کیوں کہ یہ اس سے بہرحال بہتر تھا کہ کوئی آسیب یا بلا ان کی روح قبض کرے!

انہوں نے سوچا کہ نیچے جائیں اور کسی ہوٹل سے چائے پی آئیں۔ کچھ تو سر کا بھاری پن کم ہو گا اور طبیعت بحال ہو گی۔ ابھی وہ باہر جانے کے لئے دروازہ کھول رہے تھے کہ اچانک باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آئی...... جیسے کوئی نہا رہا ہو...... مگر کل تک تو یہاں پانی نہیں آرہا تھا پھر اس وقت پانی کیسے آرہا ہے؟ باتھ روم میں کون نہا رہا ہے......؟ ان کا ذہن الجھ کر رہ گیا مگر اب رات کا وقت نہ تھا کہ وہ وحشت زدہ ہو جاتے...... رات اور اندھیرے کا اپنا ایک خوف ہوتا ہے۔ صبح تو انہوں نے سارے گھر کا ایک چکر بھی لگایا تھا مگر انہیں کوئی غیر معمولی بات محسوس نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے خود پہ خوف کو غالب نہ آنے دیا اور آگے بڑھے...... دھکا

دے کر باتھ روم کا دروازہ کھول دیا..... باتھ روم خالی تھا..... نل کھلا ہوا تھا..... اور پانی بہہ رہا تھا ..... اوہ!! میں بھی کتنا خبط الحواس ہوں..... کل خود ہی تو ٹونٹی کھول کر دیکھا تھا..... چونکہ اس وقت پانی نہیں آرہا تھا لہٰذا بند نہ کی ہوگی..... اب پانی آنا شروع ہوا تو بہنے لگا۔ انہوں نے سر جھٹک کر نل بند کیا اور واپس مڑے..... مگر یہ کیا!! صابن کی گیلی ٹکیہ فرش پر پڑی تھی! جب کہ انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ رات کو انہوں نے خود واش بیسن پہ نئی ٹکیہ کھول کر رکھی تھی۔ (کہ اگر قسمت سے صبح پانی آگیا تو منہ دھولیں گے) پھر یہ گھلی ہوئی ٹکیہ فرش پہ کس نے رکھی؟ کیا واقعی یہاں کوئی نہا رہا تھا .....؟

اس سے آگے سوچنے کی ہمت نہ ہوئی اور انہیں جھرجھری سی آگئی..... اگر ریاض صاحب نے صبح آنے کو نہ کہا ہوتا تو وہ کب کے تالا ڈال کر اس فلیٹ سے نکل بھاگے ہوتے۔ شکر ہوا کہ ریاض صاحب جلد ہی آگئے۔ صابر صاحب کا اڑا ہوا رنگ دیکھ کر بولے۔

"میاں! خیریت تو ہے..... یہ چہرے پہ بارہ کیوں بج رہے ہیں..... کیا رات ٹھیک سے نیند نہ آئی؟"

"نیند!! ارے جناب گولی ماریئے نیند کو، یہاں تو ساری رات جان پہ بنی رہی..... رات بھر کوئی "کالی بلا" میری چادر گھسیٹتی رہی اور صبح کو میرے باتھ روم میں کوئی "آسیب" نہاتا رہا..... سنا آپ نے!!"

"کیا!!" ریاض صاحب بھونچکا رہ گئے۔

جب صابر صاحب نے پوری تفصیل بتائی تو قہقہہ مار کے بولے۔

"خوب! میاں تم بھی بڑے وہمی نکلے..... مجھے بھی ڈرا کر رکھ دیا..... میں تمہیں بتاتا ہوں کہ قصہ کیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ....."

ابھی ریاض صاحب نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک انتہائی باڈی بلڈر قسم کا بلی کے سائز کا چوہا بھاگتا ہوا آیا اور ان کے پیروں کو پھلانگتا ہوا نالی میں غائب ہو گیا۔

"یہ..... یہ کیا ہے!" صابر صاحب ہکلا کر رہ گئے۔

"یہ چوہا ہے!" اور یہی وہ آسیب اور بلا ہے جس سے آپ رات بھر ڈرتے رہے!"

دراصل ان چوہوں نے ہماری نالیوں کے نیچے زمین دوز فلیٹس تعمیر کر رکھے ہیں..... بڑے انجینئر ہوتے ہیں یہ بھی!!" انہوں نے فخریہ لہجہ اختیار کیا۔

"اچھا!!" صابر صاحب نے سرد مہری کا مظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن چوہوں کے زمین دوز فلیٹس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں..... میں ان بلوں میں سیمنٹ بھروا کر سارے چوہوں کو انڈر گراؤنڈ ہونے پہ مجبور کر دوں گا۔"

ہا!!" ریاض صاحب چمکے۔ آپ ایک جگہ

سے سیمنٹ بھروائیں گے تو یہ دوسری جگہ سے نکل آئیں گے۔ یہ بڑی زور آور اور ذہین مخلوق ہیں۔ (انہوں نے چوہوں کی ایسے تعریف کی جیسے اپنے بچوں کی کر رہے ہوں۔)

"چوہے جتنے بھی ذہین ہوں ...... لیکن میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے فلیٹ کا ایڈوانس لینے سے قبل مجھے آگاہ کیوں نہ کیا کہ یہاں چوہوں کی "ہاؤسنگ سوسائٹی" بھی موجود ہے، اور مجھے فلیٹ چوہوں کے ساتھ شیئر کرنا پڑے گا......"

"آپ نے پوچھا کب تھا؟ آپ نے صرف بجلی، پانی اور گیس کا پوچھا تھا۔ اگر آپ پوچھتے کہ "چوہے ہیں!" تو میں بتا دیتا کہ "وہ بھی ہیں!" رات کو تو پورے فلیٹ پہ ان کا قبضہ ہوتا ہے۔"

"یہ تو ظلم ہے! مجھے چوہوں سے سخت نفرت ہے۔ اور وہ بھی بلی کے سائز کے چوہے!! یہ تو آدمی کو کھا جائیں!!"

"آہستہ بولیئے! چوہے بڑی حساس مخلوق ہیں ...... اگر انہوں نے آپ کے خیالات سن لئے اور مائنڈ کر گئے تو رات کو آپ کے سارے خیالات ٹھیک کر دیں گے!!" ریاض صاحب کا لہجہ خاصا دھمکی آمیز تھا۔

"ہونہہ!! اگر یہ ایسے ہی حساس ہیں تو پھر اتنے فضول فلیٹ میں کیسے رہ رہے ہیں؟ کہیں اور کیوں نہیں جا بستے! برائے مہربانی، آپ میرا ایڈوانس واپس فرما دیجئے۔ میں اس فلیٹ میں ہر گز نہیں رہ سکتا...... اور آپ کو شرم آنی چاہئے...... آپ میرے مقابلے میں مسلسل چوہوں کی سائیڈ لے رہے ہیں۔" صابر صاحب تقریباً روہانسے ہو چکے تھے۔

"مگر میاں صاحبزادے! یہ چوہے بے ضرر ہیں۔ اوّل تو آپ ان کے سائز کے متعلق مسلسل مبالغے سے کام لے رہے ہیں ...... یہ چوہے بلی کے برابر نہیں...... زیادہ سے زیادہ "گدھ" کے برابر ہوں گے۔ اور آپ کا دوسرا خیال بھی غلط ہے کہ یہ آدمی کو کھا سکتے ہیں ...... بہت ہوا تو یہ پاؤں کا انگوٹھا یا چھنگلی کتر لیتے ہیں...... اور بس...... اس کے علاوہ صابن ان کی کمزوری ہے۔ بہت شوق سے کھاتے ہیں ...... آپ صابن چھپا کر رکھیں تا کہ یا نالی میں نہ گھسیٹ لے جائیں...... رات کو یہ کبھی کبھار چادر گھسیٹتے ہیں چارپائی نہیں ...... لہٰذا بے فکر ہو کر سوتے رہئے۔ آپ تو ناحق اندیشہ، بدگمانی میں مبتلا ہیں اور رائی کا پہاڑ بنا رہے ہیں...... اور ہاں ایڈوانس تو اب واپس نہیں ہو سکتا ...... اگر آپ کو چوہے، میرا مطلب ہے...... فلیٹ پسند نہیں تو ایڈوانس ضبط ہو جائے گا۔"

صابر صاحب اسم با مسمّٰی تھے لہٰذا محض خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے اور اپنا سامان سمیٹ کر چل پڑے ...... کہاں؟ وہ خود بھی نہیں جانتے تھے ...... ان ہی کے پیچھے ریاض صاحب بھی فلیٹ سے نکل پڑے ...... نئے کرایہ دار کی تلاش میں!!

فرقان وہاب کی شوخ لکیریں

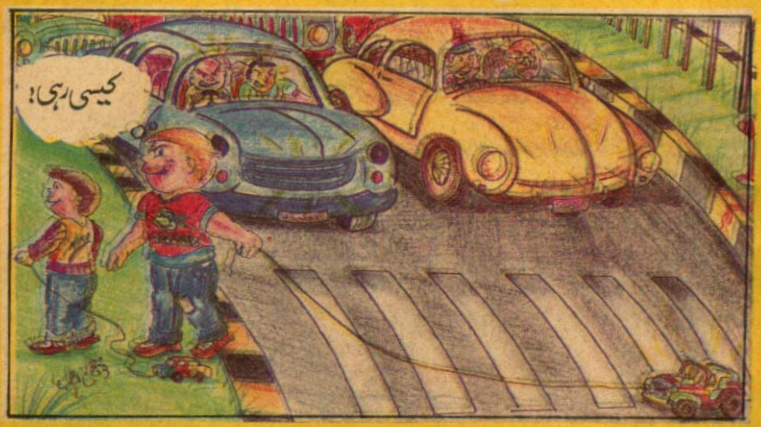

چیمپئن کی واپسی

سلیم بن حنیف

مارچ کا مہینہ ہمارے وطن پاکستان کے لئے خوش نصیبی کا مہینہ رہا ہے۔ مثلاً ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرار داد پاکستان منظور ہوئی تھی۔

اسی طرح آج سے دو سال قبل مارچ کی ۲۵ تاریخ کو میلبورن (آسٹریلیا) میں عمران خان کی قیادت میں پاکستان کی کرکٹ ٹیم عالمی چیمپئن بنی تھی اور اب اس سال ۲۵ مارچ کو لاہور میں قومی ہاکی ٹیم نے جرمنی کو ہرا کر ۱۶ ویں چیمپئنز ٹرافی جیت لی۔

ہاکی ہمارے وطن کا قومی کھیل ہے۔ اس کھیل میں ہماری قومی ٹیم کی کارکردگی ہمیشہ بے حد عمدہ رہی ہے۔ لیکن چند سالوں سے ہماری ٹیم اچھے کھیل کا مظاہرہ نہیں کر پا رہی تھی۔

انٹرنیشنل ہاکی میں اولمپکس، ورلڈ کپ اور چیمپئنز ٹرافی ہاکی ٹورنامنٹ کو نمایاں حیثیت

حاصل ہے۔ آخری دفعہ ۱۹۸۴ء میں لاس اینجلس کے مقام پر پاکستان نے اولمپکس میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اس کے بعد عوام کو کسی بڑے ٹورنامنٹ میں ٹیم کو فاتح بنتا دیکھنے کے لئے دس سال انتظار کرنا پڑا۔ یہ انتظار آخر کار ختم ہوا۔ کیونکہ ہاکی میں اب پاکستان ہی فاتح ہے۔

چیمپئنز ٹرافی مقابلوں کو ہاکی میں عالمی اہمیت حاصل ہے۔ اس ٹورنامنٹ میں دنیا کی چھ بہترین ٹیمیں شرکت کرتی ہیں۔ یہ ٹورنامنٹ ہر سال کھیلا جاتا ہے اور پچھلے سال آسٹریلیا کی ٹیم اس ٹورنامنٹ کی فاتح رہی تھی۔ پاکستان نے ۱۹۸۰ء میں منور الزماں کی قیادت میں ہالینڈ کی ٹیم کو دو کے مقابلے میں تین گول سے شکست دے کر آخری مرتبہ یہ اعزاز حاصل کیا تھا۔

اس سال چیمپئنز ٹرافی کے لئے جو پاکستانی ٹیم چنی گئی اس میں زیادہ تر نوجوان اور نا تجربہ کار کھلاڑی شامل تھے اور خیال کیا جارہا تھا کہ ٹیم کوئی خاص کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر پائے گی۔ لیکن حیرت انگیز طور پر ٹیم بہت اچھا کھیلی۔ پاکستان ہاکی ٹیم کے دفاعی کھلاڑی خاص طور پر بہت اچھا کھیلے جب کہ ہاف لائن پر جنید، شفقت اور عثمان کا کھیل قابلِ تعریف رہا۔ گول کیپر منصور کا کھیل خاص طور پر نمایاں تھا۔ انہوں نے کئی یقینی گول بچائے۔ ٹیم کی مجموعی کارکردگی شاندار رہی۔ ٹیم نے اپنے میدان اور اپنے تماشائیوں کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور آخر تک ناقابل شکست رہی۔

پاکستان اور جرمنی کی ٹیموں کے درمیان فائنل میچ کو دیکھنے کے لئے ساٹھ ہزار سے زائد تماشائی میدان میں موجود تھے۔ میچ بہت سنسنی خیز ثابت ہوا۔ مقررہ وقت تک دونوں ٹیموں نے دو دو گول کئے۔ پھر دونوں ٹیموں کو پانچ پانچ پینلٹی اسٹروک لگانے کا موقع دیا گیا۔ اس میں بھی دونوں ٹیموں نے چار چار گول بنائے۔ آخر میں حتمی فیصلہ ہونے تک دونوں ٹیموں کو پینلٹی اسٹروک لگانے کا موقع دیا گیا۔ جس میں پاکستان نے لگاتار تین گول اسکور کئے جب کہ جرمنی نے پہلے تین پینلٹی اسٹروکس پر گول کئے اور چوتھا پینلٹی اسٹروک جرمنی کے کھلاڑی میئر ہومر نے گول پول کے اوپر سے باہر پھینک دیا۔ اس طرح پاکستان ایک لمبے عرصے کے انتظار کے بعد چیمپئنز ٹرافی جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔ کپتان شہباز نے صدر پاکستان سے ونگ ٹرافی وصول کی۔ جبکہ ہاکی فیڈریشن کے صدر اینٹی گلیش نے پاکستان جرمنی، اور ہالینڈ کے کھلاڑیوں کو بالترتیب سونے، چاندی اور کانسی تمغے پہنائے۔

اس ٹورنامنٹ کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتا چلے گا کہ اس میں کل ۱۸ میچ کھیلے گئے جن میں ۷۸ گول اسکور ہوئے۔ فاتح ٹیم پاکستان نے ۱۴ گول کئے اور اس کے خلاف ۱۲ گول ہوئے۔ رنراپ جرمنی نے ۱۰ گول کئے اور اس کے خلاف ۷ گول ہوئے ہالینڈ نے ۱۵ گول کئے اور اس کے خلاف ۱۲ گول ہوئے۔ آسٹریلیا نے ۱۶ گول کئے اور اس کے

خلاف ۱۸ گول ہوئے جبکہ برطانیہ کی ٹیم نے صرف ۱۰ گول کئے اور اس کے خلاف ۲۰ گول ہوئے۔ برطانیہ کی ٹیم (جو ۱۹۸۸ء کے اولمپک کی فاتح بھی رہی ہے) واحد بدقسمت ٹیم تھی جو کوئی بھی میچ نہ جیت سکی۔ ٹورنامنٹ میں سب سے زیادہ گول اسپین کے لیفٹ آؤٹ ونگر جونیئر نے کئے۔ انہوں نے ایک ہیٹ ٹرک کی مدد سے نو گول بنائے دوسرے نمبر پر ہالینڈ کے وان ڈین ہانرٹ رہے جو ۸ گول کر سکے۔ برطانیہ کی ہاکی ٹیم کے کپتان دوسل گاریا نے پانچ گول کئے اور تیسرے نمبر پر رہے فاتح ٹیم پاکستان کی جانب سے کامران اشرف اور شہباز جونیئر نے چھ، طاہر زمان نے تین اور کپتان شہباز احمد نے دو گول کئے۔ ٹورنامنٹ کے میچوں میں ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنے پر گیارہ کھلاڑیوں کو پیلے کارڈ دکھائے گئے۔ جبکہ ۴۳ کھلاڑیوں کو سبز کارڈ دکھائے گئے۔ خواجہ جنید ٹورنامنٹ کے بہترین کھلاڑی قرار پائے۔ انہوں نے ٹرافی وصول کی۔ خواجہ جنید سے قبل کپتان شہباز احمد پانچ میں سے چار چیمپئنز ٹرافی میں بہترین کھلاڑی کا ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔

پاکستان کے کپتان شہباز احمد نے فائنل میچ جیتنے کے بعد ٹی وی کو دیئے گئے ایک مختصر انٹرویو میں کہا کہ "ہم نے اپنے ملک کے بارہ کروڑ عوام کو مایوس نہیں کیا اور اس فتح سے پاکستان میں ہاکی دوبارہ زندہ ہو گئی ہے۔"

یقیناً شہباز کی یہ رائے درست ہے۔ اس فتح سے یقینی طور پر ٹیم کے کھلاڑیوں کے حوصلے بلند ہوئے ہیں۔ امید ہے ہماری ہاکی ٹیم آئندہ بھی ایسی ہی عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کرتی رہے گی اور پاکستان کا سبز ہلالی پرچم کھیل کے میدانوں میں سب سے اونچا لہراتا رہے گا۔

الحدیث

○ ۔ سب سے زیادہ عبادت گزار وہ ہے جو اپنے فرائض بجالاتا ہے۔

○ ۔ جو دنیا میں سب سے زیادہ پیٹ بھرتا ہے وہ قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکا ہوگا۔

○ ۔ روئے زمین پر جو بھی ہے اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

○ ۔ جھگڑا چھوڑو خواہ تم حق پر ہی کیوں نہ ہو۔

○ ۔ کفران نعمت وہ گناہ ہے جس کی سزا بہت جلد ملتی ہے۔

○ ۔ جس انسان میں رحم دلی نہیں اس میں نیکی نہیں۔

○ ۔ جو شخص ظالم کے ساتھ راستہ چلا گویا اس نے بھی جرم کیا۔

○ ۔ علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی بہت ہوتا ہے اور جہل کے ساتھ عمل کثیر بھی قلیل ہے۔

○ ۔ سب سے زیادہ پرہیز گار وہ ہے جو حرام سے بچے۔

○ ۔ جنت میں بد خلق، بد خو اور سخت گو آدمی داخل نہ ہوگا۔

مرسلہ:۔ سید علی احسن جعفری۔ پرانا سکھر

آخری محافظ

غلام حسین میمن

یہ ۴ر مئی ۱۷۹۹ء کی سرمئی شام تھی۔
میدان جنگ میں گھمسان کا رن پڑا تھا۔ دونوں اطراف فوجیں ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار تھیں کہ اچانک کسی نے چلّا کر کہا:

"سلطان شہید ہو گئے۔"

دشمن کی فوج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور کچھ سپاہی تو سلطان کی لاش تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ کئی ایک نے جاکر یہ خوش خبری اپنے جنرل کو دی تو وہ بھی فوراً سلطان کی تلاش آیا۔ شام ہو چکی تھی اور اندھیرا بڑھتا جا رہا لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جن میں پہچان مشکل تھی۔ آخر مشعلیں منگوائی گئیں۔ لا کے ڈھیر میں ایک متبسّم نعش دکھائی دی جسے کر جنرل ہیرس خوشی سے بے قابو ہو گیا سلطان کی لاش پر کھڑے ہو کر کہا:

"آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔"

اس وقت سلطان ٹیپو کی آنکھیں کھلی تھیں اور لبوں پر مسکراہٹ تھی مگر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ اگلے دن سلطان کو عزت و احترام کے ساتھ باپ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ سلطان حیدر علی کا یہ جری بیٹا اور میسور کا آخری محافظ بھی آج وطن پر قربان ہو چکا تھا اور پھر اس کے بعد آنے والا ہر دن میسور اور سرنگاپٹم کے لوگوں کے لئے کسی قیامت سے کم نہ تھا۔

تاریخ برصغیر کے اس عظیم ہیرو نے اپنی زندگی میں آزادیٔ وطن کی خاطر ہر ممکن جدوجہد کی۔ انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کو تجارت کے پردے میں جس مکروہ کام کے لئے استعمال کر رہا تھا، اس سے سلطان ٹیپو بخوبی واقف تھے۔ آہستہ آہستہ انگریزوں نے تمام ہی ریاستوں کو زیر نگین کر لیا تھا۔ ان کا خواب پورے ہندوستان پر بلا شرکت غیرے حکومت کرنے کا تھا جو ابھی تعبیر کی شکل نہیں پا رہا تھا۔ کیونکہ ایک ریاست میسور ایسی بھی تھی جس کے سلطان نے اطاعت سے انکار کیا تھا اور ہر وقت ان کی سازشی چالوں کا منہ توڑ جواب دیتا تھا۔ سلطان ٹیپو نے ان کی سازشوں کا مقابلہ کرنے اور بار بار کے حملے کا جواب دینے کے لئے مرہٹوں اور نظام کے ساتھ یگانگت کی کوشش کی جو ناکام ثابت ہوئی کیونکہ ان پر تو پہلے ہی انگریزوں کے مکرو فریب کا وار چل چکا تھا۔

سلطان نے اس کے بعد غیر ملکی بادشاہوں کے ساتھ اتحاد کی کوشش کی۔ اس نے فرانس کے شاہ لوئی سے ایک معاہدہ کرنا چاہا جس کی رو سے فرانس، انگریزوں کے ساتھ ہر مقابلے میں سلطان ٹیپو کی مدد کرے گا۔ اس کی تمام فوجوں کے اخراجات ریاست میسور برداشت کرے گی جس کے بدلے میں کنارہ، بمبئی اور بنگال کی بندر گاہیں اہلِ فرانس کے حوالے کی جائیں گی۔

پیشکش نہایت معقول تھی اور شاہ فرانس کو اسے قبول کرنے میں کوئی عار بھی نہ تھا مگر اسے چونکہ اپنے ملک میں انقلاب کا خدشہ تھا اس لئے اس نے سلطان ٹیپو کی اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

میسور کی تیسری جنگ میں سلطان کو میسور کے نصف حصے سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ادھر انگریزوں نے سلطان ٹیپو کے ہر ساتھی کو حکومت اور دولت کا لالچ دے کر خریدنا شروع کیا مگر سلطان ابھی تک مایوس نہ ہوا تھا۔ اس نے ایک بار پھر شاہ فرانس کے پاس اپنا سفیر بھیجا۔ اس وقت فرانس میں نپولین کا راج تھا۔ وہ بھی ٹیپو سلطان کی مدد کے لئے تیار تو تھا مگر حالات ساز گار نہ ہونے کی بنا پر کچھ نہ کر سکا۔

سلطان نے آخری کوشش کے طور پر اسلامی ملکوں کی جانب رخ کیا، کیونکہ سلطان کی دوراندیش نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر اس وقت بھی انگریزوں کو نہ روکا گیا تو وہ وقت دور نہیں جب ان کا اقتدار پورے ہندوستان میں پھیل کر قریب کے اسلامی ملکوں کے لئے خطرہ بن جائے

گا۔ اس خیال کے پیش نظر اس نے ایران، ترکی اور افغانستان میں اپنے سفیر بھیجے تاکہ ان سے مدد طلب کی جائے۔ ترکی نے مدد سے انکار کیا۔ شاہ ایران نے وعدہ کیا مگر وہاں انگریزوں کی شاطرانہ چالوں کا جال پھیل چکا تھا اور ایران مذہبی تعصب کے لپیٹ میں آگیا اور افغانستان میں جنگ و جدل کے باعث یہ کام نہ ہو سکا۔

بالآخر ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ولزلی نے ٹیپو سلطان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا

اسی اثنا میں اس نے سلطنتِ میسور کی تباہی کے لئے سازشوں کا پورا پورا اہتمام بھی کر لیا۔ انگریز فوجوں نے آس پاس کی دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کے ساتھ میسور کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور اب دونوں جانب سے توپوں کے گولوں کا تبادلہ ہونے لگا۔ سلطان ٹیپو کی ہر کوشش بیکار ہونے لگی اور اسے اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ اب قلعے کے اندر ہی اس کے ساتھی انگریزوں سے مل گئے ہیں مگر مصلحتاً وہ کچھ نہ کر سکا۔ اس کی فرانسیسی فوج کے کچھ سپاہیوں نے آخری وقت سلطان کا ساتھ دینے کا عہد کیا مگر اس کا وزیرِ خاص میر صادق خود کو انگریزوں کے ہاتھ بیچ چکا تھا۔

۴ر مئی کی دوپہر سلطان محل کے اندر ایک سایہ دار درخت کے نیچے آکر بیٹھا اور کھانا طلب کیا۔ ابھی دو لقمے ہی منہ میں ڈالے تھے کہ لوگوں نے آکر اطلاع دی کہ لڑائی میں آپ کا ساتھی سید غفار شہید ہو گیا ہے۔ سلطان اٹھ کھڑا ہوا اور ایک نظر اپنے نمک حرام ساتھیوں پر ڈالی اور کہا۔ "اس غداری اور بے وفائی کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہو گا جب تم اور تمہاری نسلیں ایک ایک دانہ چاول کو ترسیں گی۔" اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کے مقابلے پر نکلا۔ جوں ہی سلطان فصیل کی دوسری جانب گیا تو میر صادق نے واپسی کا دروازہ فوراً اندر سے بند کر دیا اور خود فصیل پر چڑھ کر انگریزی فوج کو حملہ کرنے کا اشارہ کر کے قلعہ کے باہر جانے لگا کہ اچانک ایک سپاہی اسے دیکھ کر چلا اٹھا! "غدار! آقا کو چھوڑ کر کہاں چلا؟" اور پھر جوشِ غضب سے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ سر تن سے جدا ہو گیا۔

؎ جعفر از بنگال، صادق از دکن
ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

باورچی کی ضرورت ہے

کشمیر کا ذکر ہے کہ قائداعظم اپنے ہاؤس بوٹ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ باتوں ہی باتوں میں ذکر چھڑ گیا کہ مہاراجہ کشمیر بہت اچھے کھانے پکا سکتے ہیں۔ اس پر قائداعظم نے ہنس کر کہا "ویسے تو میں بھی انڈہ پکا سکتا ہوں لیکن اگر مہاراجہ چاہے تو میں اسے بمبئی لے جا سکتا ہوں کیونکہ مجھے وہاں ایک اچھے باورچی کی سخت ضرورت ہوگی۔"

مرسلہ:۔ محمد خالد قریشی۔ نصرپور

ہے زندگی کا مقصد

ہنستے مسکراتے صحت مند بچے زندگی کی علامت ہوتے ہیں اور انہی سے چمن میں بہار اور رنگوں میں نکھار ہوتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں بچوں کی صحت اور تعلیم پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دی جاتی اور اس غفلت کے باعث ہزاروں بچے ہر سال موت کی بھیانک وادی میں گم ہو جاتے ہیں۔

کتنے قاسم کتنے ٹیپو بچپن میں ہی مر جاتے ہیں

لیکن شاید غافلوں سے اللہ اچھی طرح واقف ہے اس لئے اللہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے اور اپنے نیک بندوں کے دلوں میں خلق خدا کی خدمت اور محبت کے جذبے کو بیدار کر دیتا ہے تاکہ وہ دکھی انسانیت کی خدمت کر سکیں۔ اور دوسروں کے لئے مشعل راہ بن سکیں۔ ان تڑپتے اور سسکتے بچوں کے مفت علاج کے لئے "چلڈرن ہیلتھ فاؤنڈیشن" کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس ادارے کے تحت ایک مفت کلینک جو "عیسیٰ نگر گلشن اقبال" میں پروفیشنل ڈاکٹرز اور کارکنوں کے ساتھ خدمت خلق میں تندہی کے ساتھ مصروف ہے' اس کلینک سے اب تک ۱۵۰۰۰ بچے مستفید ہو چکے ہیں اس کے علاوہ اس فاؤنڈیشن کے تحت لانڈھی اور لسبیلہ چوک کراچی میں بھی کلینک قائم ہو چکے ہیں۔ مزید یہ کہ اللہ کے ایک مخلص بندے نے ایک ویگن ایمبولینس عطیہ کے طور پر دی ہے جو کہ موبائل کلینک کا کام دیتی ہے۔ اس فاؤنڈیشن کے بہت اونچے عزائم ہیں ان کا پاکستان بھر میں جگہ جگہ اس طرح کے مفت کلینک کھولنے کا ارادہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ فاؤنڈیشن والدین کو بچوں کی صحت کے حوالے سے تربیت دینے کا انتظام بھی کرتی ہے اور اس کے لئے مختلف پروگرامز بنائے گئے ہیں۔

لیکن ساتھیو! یہ فاؤنڈیشن اتنے کم وسائل میں کب تک اس ملک اور دکھی انسانیت کی خدمت کرتی رہے گی۔ جب تک ہمارے عوام اس طرح کے فلاحی اداروں کے لئے دست تعاون نہیں بڑھائیں گے۔ یہ فاؤنڈیشن کیسے دکھی انسانیت کی خدمت کر سکے گی اس لئے تمام قارئین "آنکھ مچولی" سے گذارش ہے کہ اس نیک کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور اپنے عطیات اس فاؤنڈیشن میں جمع کرائیں اور اپنے محلے اور اسکول میں اور لوگوں کو بھی اس کے لئے آمادہ کریں اور اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔

تعاون کی اپیل

ہزاروں بیمار بچوں کو غربت کے باعث صحیح علاج و معالجہ میسر نہیں جس کی وجہ سے وہ مرجاتے ہیں۔

آپ ہمارے شریک کار بن جایئے اور ان معصوم بچوں کی جانیں بچایئے جو آپ کی مدد کے سخت محتاج ہیں۔

عظمت سینٹر، عیسیٰ نگری نزد حسن اسکوائر کراچی میں ایک مفت کلینک گزشتہ دو سال سے کام کر رہا ہے جہاں ہزاروں بچے زیر علاج اور صحت یاب ہو چکے ہیں۔ لانڈھی اور لسبیلہ چوک کراچی میں بھی کلینک کھل رہے ہیں۔

براہ کرم فراخدلی سے عطیہ بذریعہ کراس چیک یا منی آرڈر سے یا مندرجہ ذیل پتے پر بھیجیں۔

"نیکی کرنا ہمیشہ اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے"

چائلڈز ہیلتھ فاؤنڈیشن
ڈیفنس اسپیشلسٹ کلینک، اے۔ سی اسٹیڈیم لین ۲
خیابان شمشیر فیز ۵ ڈی ایچ اے، کراچی ۷۵۵۰۰
فون نمبر ۵۳۶۶۰۵، ۵۲۴۱۱۷۹

ایک درخشندہ ستارہ

سلیم بن خالق

ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کا شمار ہمارے ملک کے نامور سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے زندگی بھر پاکستان میں سائنس کی ترقی کے لئے کام کیا۔..... کراچی کا حسین ابراہیم جمال انسٹیٹوٹ آف کیمسٹری ان ہی کی عملی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ڈاکٹر صاحب نے ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۷ء کو لکھنؤ کے ایک گھرانے میں جنم لیا۔ بچپن ہی سے ذہن پڑھائی کی جانب راغب تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر لکھنؤ ہی سے حاصل کی پھر ۱۹۱۹ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔اس کے بعد وہ یونیورسٹی کالج لندن اور فرینکفرٹ یونیورسٹی میں ۱۹۲۷ء تک زیر تعلیم رہے۔ غیر ملکی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب ۱۹۲۷ء میں ہی طبی کالج دہلی میں حکیم اجمل خان کے ساتھ ڈرگ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ ہوگئے اور دس سال تک اس انسٹیٹوٹ کے ڈائریکٹر رہے۔ انہوں نے مختلف پودوں کو دوا کے طور پر استعمال کرنے کے سلسلے میں تحقیق کی۔ ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کی خدمات ۱۹۶۰ء میں کونسل آف سائنٹیفک انڈسٹریل ریسرچ نے حاصل کر لیں جو دوسری جنگِ عظیم کی بعد قائم کی گئی تھی۔ ۱۹۴۷ء کے اوائل میں ڈاکٹر صاحب کو نیشنل کیمیکل لیبارٹری بھارت کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۱ء میں حکومت پاکستان نے ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کی خدمات سے استفادہ کرتے ہوئے پاکستان کونسل آف سائنٹیفک اینڈ ریسرچ کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۶۱ء میں پاکستان نیشنل سائنس کونسل کے قیام پر ڈاکٹر صاحب کو اس کا پہلا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ ان اداروں سے ریٹائرمنٹ

کے بعد ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی صاحب کی خدمات جامعہ کراچی نے حاصل کر لیں اور ان کو جامعہ کراچی کے شعبہ کیمسٹری کا پروفیسر ریسرچ ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی جامعہ کراچی میں ایک اعلیٰ تحقیقی ادارہ قائم کرنا چاہتے تھے اور اپنی کوشش سے حسین ابراہیم جمال فاؤنڈیشن کے ۵۰ لاکھ کے عطیے سے ایچ ای جے ریسرچ انسٹیٹوٹ آف کیمسٹری کی بنیاد ڈالی۔ جس کے بعد جرمنی کی حکومت نے ۸۴ لاکھ جرمن مارکس اس منصوبہ کے لئے دیئے اور اب اس ادارے کو دنیا میں معیاری تحقیقی ادارے کا اعزاز حاصل ہے۔

ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کی سائنسی میدان میں تحقیقی خدمات پر انہیں متعدد قومی اور عالمی اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ جس میں سوویت اکیڈمی کی جانب سے سب سے پہلا طلائی تمغہ اور فرینکفرٹ یونیورسٹی کی جانب سے "ڈی میڈ" کا اعزاز ۱۹۵۸ء شامل ہے۔ ۱۹۶۱ء میں وہ رائل یونیورسٹی کے فیلو منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں ویٹکن سائنس کے بانی رکن بنے اور ۱۹۶۷ء میں پاکستان اکیڈمی آف سائنس کے دو سال کے لئے صدر منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب اسلامک اکیڈمی آف سائنس سعودی عرب کے بانی فیلو تھے۔ ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی صاحب نے متعدد قومی اور بین الاقوامی سائنس کانفرنسوں میں شرکت کی اور پاکستانی وفود کی قیادت کی۔ انہیں جو اعزازات حاصل ہوئے تھے ان میں "ممبر آف آرڈر آف برٹش ایمپائر" ۱۹۶۴ء میں "تمغۂ پاکستان" ۱۹۵۸ء میں "ستارۂ امتیاز" ۱۹۸۰ء سائنس کے فروغ میں ان کی خدمات کے اعتراف میں کویت فاؤنڈیشن نے ۱۹۸۱ء میں انہیں اسلامک میڈیسن آرگنائزیشن کا اعزاز دیا تھا۔ تھرڈ ورلڈ اکیڈمی آف سائنس کا خصوصی انعام اور ۱۹۸۷ء میں ہمدرد فاؤنڈیشن کے مدینتہ الحکمت کی مختلف کونسلوں اور کمیٹیوں کا رکن بھی مقرر کیا گیا۔ ڈاکٹر سلیم الزماں نے کیمیا کے شعبہ میں اپنی تحقیق کے دوران تقریباً ۳۰۰ تحقیقی مقالے لکھے اور تقریباً ۵۰ ادویات کے فارمولے تیار کئے۔ وہ بے حد قیمتی انسان تھے اور ان کی عمر جب نوّے سال سے بھی زیادہ ہو چکی تھی تو تب بھی وہ صبح روزانہ آٹھ گھنٹے لیبارٹری میں ریسرچ کرنے کی عادت پر قائم تھے۔

ڈاکٹر صاحب ایک بہت اچھے مصور بھی تھے۔ انہوں نے بے شمار نہایت خوبصورت تصویریں بھی بنائیں۔ ان کا ادب اور فلسفے کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا۔ آنکھ مچولی سے انہیں بہت محبت تھی۔ انہوں نے آنکھ مچولی کو ایک طویل انٹرویو بھی دیا۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر آنکھ مچولی کی حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے۔ آپ کا انتقال ۱۴ اپریل ۹۴ء کو ہوا۔ آج وہ ہمارے درمیان نہیں لیکن ان کے کارنامے ہمیشہ یاد رہیں گے!!

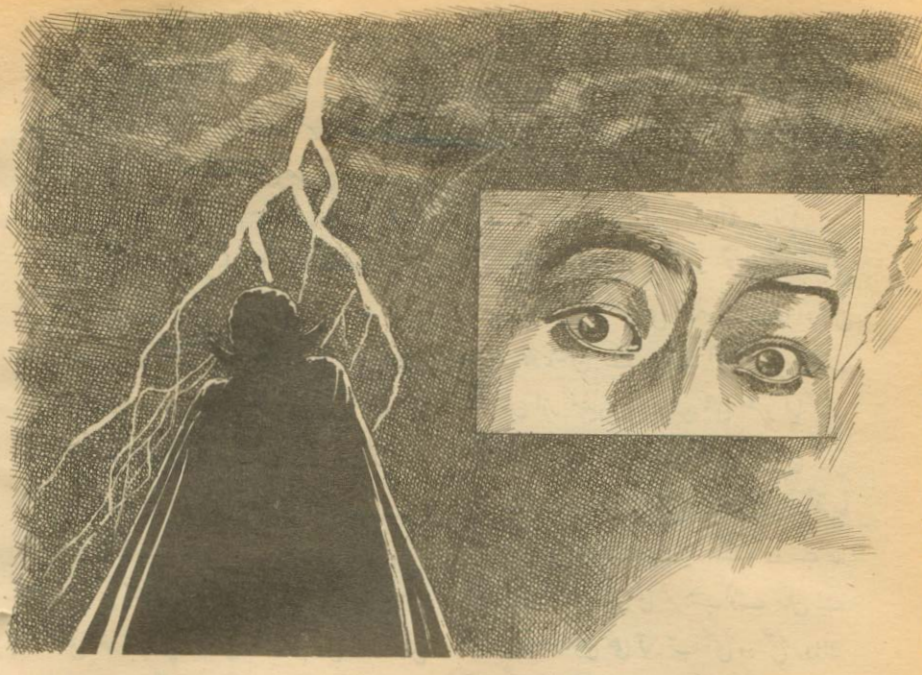

ایک رات ڈریکولا سے ملاقات

اقبال جبیں فاروقی

ایک طوفانی رات کا ذکر ہے۔ بادل گھر کر آئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ رہ رہ کر بجلی اس زور سے کڑکتی کہ دل دہل کر رہ جاتا۔ گھر کے سب لوگ سرِ شام ہی ایک عزیز کے گھر تقریب میں چلے گئے تھے۔ مجھے اپنا جرنل مکمل کرنا تھا اس لئے میں گھر ہی پہ ٹھہر گیا۔ اتفاق سے ابا جی کا بھی فون آگیا کہ وہ رات دیر سے گھر آئیں گے۔ چنانچہ میں گھر پر اکیلا ہی تھا اور بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سے میری حالت غیر ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ خوف دور کرنے کے لئے کوئی ناول پڑھنا چاہئے۔ اب جو ناول پڑھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ڈراؤنا ناول ہے۔ مگر ناول اتنا دلچسپ تھا کہ

چھوڑنے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا۔ پڑھتے پڑھتے نہ جانے کس وقت نیند نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ لمبے قد کا ایک شخص اوور کوٹ پہنے چلا آرہا ہے۔ ماتھے پہ ہیٹ جھکا ہوا ہے۔ قریب آکر اس نے سر اٹھایا تو میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ کیونکہ اس کے آگے کے دو نوکیلے دانت باہر کو جھانک رہے تھے۔

آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ "ہوں نہ ہوں یہ مسٹر ڈریکولا ہیں۔" میں نے دل میں سوچا۔ خدا جانے کہاں سے اتنی ہمت مجھے ہو گئی کہ میں نے پوچھا: "کیا آپ مسٹر ڈریکولا ہیں؟"

"ہاں ...... تم نے صحیح پہچانا۔" مسٹر ڈریکولا نے کہا، ان کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"مسٹر ڈریکولا ...... میں آپ کا انٹرویو کرنا چاہتا ہوں۔" میرے ذہن میں ان سے انٹرویو کا خیال اُبھر آیا۔

مسٹر ڈریکولا نہ جانے کس موڈ میں تھے کہ انٹرویو کے لئے تیار ہو گئے۔ اب ان سے میری جو بات ہوئی وہ کچھ یوں تھی۔ لیکن اسے پڑھتے ہوئے آپ یہ نہ بھولئے کہ میں ان سے اتنے فاصلے پر کھڑا تھا کہ اگر وہ مجھے پکڑنے کے لئے بڑھتے تو میں آسانی سے رفوچکر ہو جاتا۔

میں ...... آپ قبر میں رہنا کیوں پسند کرتے ہیں؟

ڈریکولا ...... کرایہ نہیں لگتا۔

میں ...... آپ کا پسندیدہ مشروب کون سا ہے؟

ڈریکولا ...... خون۔

میں ...... آپ کس سمندر میں نہانا پسند کرتے ہیں؟

ڈریکولا ...... بحرِ مُردار میں

میں ...... آپ کو کون سے نغمے پسند ہیں ؟

ڈریکولا ...... شکاری نغمے۔

میں ...... آپ سے بات کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟

ڈریکولا ...... فاصلہ رکھیں۔

میں ...... اگر آپ گھر میں سامنے کا دروازہ توڑ کر داخل ہو جائیں تو گھر والوں کو کیا کرنا چاہئے؟

ڈریکولا ...... پیچھے کے دروازے سے بھاگ جائیں۔

میں ...... آپ کو کون سا کھیل پسند ہے؟

ڈریکولا ...... آنکھ مچولی۔

میں ...... اگر ہم کسی ڈھانچے کو سڑک پر دوڑتا دیکھیں تو کیا کریں؟

ڈریکولا ...... اپنی کھال سے باہر آکر ریس لگانا شروع کر دیں۔

میں ...... کیا بغیر دانت والے بھوت بھی انسانوں کو کچا چبا سکتے ہیں؟

ڈریکولا ...... نہیں۔ لیکن سالم نگل سکتے ہیں۔

میں ...... آپ اپنی دولت کس بینک میں رکھتے ہیں؟

ڈریکولا ...... بلڈ بینک میں۔

بکرا اور بچہ

محمد عمر احمد خان

بھورل کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس جیسی طاقت رکھنے والا بکرا دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ گاؤں میں بڑے بڑے نامی گرامی بکروں نے اس سے طاقت آزمائی تھی اور اس نے اپنی ٹکروں سے سب ہی کو ناک آؤٹ کیا تھا۔ پورے گاؤں میں بھورل کی طاقت کی دُھوم مچی ہوئی تھی۔

جب وہ گاؤں کی گلیوں سے گزرتا تو اس کا انگ انگ طاقت کے نشے سے سرشار ہوتا۔ پنگھٹ پر جب وہ پانی پینے جاتا تو بکریاں، گائے، بھینسیں اور بیل ڈر کے مارے اسے راستہ دے دیتے۔

اس کا مالک اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اس کے کھانے پینے پر خصوصی توجہ دیتا۔ وہ اچھی غذا ملنے کے سبب خوب صحت مند اور سڈول ہو رہا تھا۔ بھورل گاؤں میں بہت خوش تھا۔ ہرے بھرے کھیتوں کھلیانوں اور صاف ستھری صحت

بخش فضا میں وہ "میں میں" کرتا پھرتا اور خوش رہتا لیکن پھر ایک روز اس کا مالک اسے بہلا پھسلا کر شہر لے آیا اور اسے پانچ ہزار میں ایک شخص کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ بھورل کا نیا مالک جانوروں کی خرید و فروخت کا ماہر تھا۔ جو جانور وہ ایک ہزار میں خریدتا تھا وہی جانور وہ تین گنا زیادہ قیمت پر فروخت کر دیتا تھا۔ بھورل کا نیا مالک جب اسے شہر کی سب سے بڑی منڈی میں لے گیا تو بھورل بے حد اُداس تھا۔ اسے اپنے بکنے کا اتنا غم نہیں تھا جتنا مالک کی جھوٹی محبت سے ہوا تھا۔

بقرعید قریب تھی اور بھورل جانوروں کی منڈی میں سر جھکائے اپنے بکنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے آس پاس جو شہری بکرے بکنے کے لئے کھڑے تھے وہ آپس میں خوش گپیاں کر رہے تھے۔ تب ان ہی میں سے ایک بکرا بھورل کے قریب کھسک آیا۔

"تم پنڈ سے آئے ہو؟" اس نے پوچھا تو بھورل نے مغموم لہجے میں کہا۔

"میں پنڈ سے نہیں جھوٹی دُنیا سے آیا ہوں۔"

"جھوٹی دُنیا سے! میں سمجھا نہیں!!"

"میں جس دُنیا سے آیا ہوں وہاں کا مالک جھوٹا تھا۔ وہ مجھے خوب کھلاتا پلاتا۔ میں سمجھتا تھا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے لیکن وہ مجھے اس لئے اچھی اچھی چیزیں کھلاتا تھا تاکہ میں موٹا ہو جاؤں اور وہ مجھے شہر میں مہنگے داموں بیچ سکے۔"

"اس کا مطلب ہے وہ "مُنافق" بھی تھا۔"

"یہ "مُنافق" کیا ہوتا ہے؟" بھورل نے پوچھا۔

بکرے نے تھوڑے سے دانشورانہ لہجے میں کہا۔

"مُنافق وہ ہوتا ہے جو سامنے ہو تو پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہے اور پیٹھ کے پیچھے ہو تو چھری چلاتا ہے۔"

"لیکن میں اپنی گردن پر کسی کو چھری نہیں چلانے دوں گا۔ کوئی مجھے آسانی سے ذبح نہیں کر سکتا۔ میں ایک ایک کا پیٹ پھاڑ دوں گا۔"

اور پھر واقعی بھورل نے یہ کر دکھایا۔ جو بھی گاہک اس کے قریب آتا وہ اچھل کر اسے زور دار ٹکر رسید کرتا اور آنے والا گاہک "خوف زدہ" حالت میں واپس جانے پر مجبور ہو جاتا۔

شام تک بھورل پوری منڈی میں "مرکھنا بکرا" کے نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ اس کا مالک الگ پریشان تھا۔ گاہک بھورل کا سڈول اور خوب صورت گوشت سے بھرا جسم دیکھ کر اس کے قریب آتے اور اس کی صرف ایک ہی ٹکر کھا کر ہسپتال سدھار جاتے۔

دوسرے دن مالک کو بھورل کی قیمت میں کمی کرنا پڑی۔ اب وہ بھورل کو اسی قیمت پر فروخت کرنا چاہتا تھا جس پر اسے خریدا تھا۔

تین چار دن گزر گئے اور بھورل کو خریدنے پر

کوئی راضی نہ ہوا تو مالک نے دل پر پتھر رکھ کر اس کی قیمت میں مزید کمی کر دی کہ شاید اس طرح کوئی اسے خرید لے اور پھر ایک خریدار آ ہی گیا۔ یہ ایک پہلوان تھا۔ مناسب قد اور کسرتی جسم کا مالک۔ جب وہ بھورل کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے کی غرض سے قریب بڑھا تو مالک چلایا۔

"پہلوان جی! ذرا سنبھل کے! مرکھنا ہے!! "

"ارے! میں نے بڑے بڑے مرکھنے پہلوان ٹھیک کر دیئے ہیں۔ یہ تو پھر بکرا ہے۔" اِتنا کہہ کر پہلوان آگے بڑھا۔ بھورل نے اپنے اگلے پاؤں اوپر اُٹھائے اور پہلوان کو ایک زور دار ٹکر رسید کرنا چاہی لیکن پہلوان ہوشیار تھا۔ بڑی پھُرتی سے اس نے بھورل کے سینگوں کو قابو میں کر لیا۔ بھورل نے اُچھلنے کودنے کے لئے پوری جان لگا دی لیکن پہلوان اس کے گلے سے چمٹ گیا۔ بھورل کو یوں لگا جیسے اس کے گلے سے موت چمٹ گئی ہو۔ سیر کو سوا سیر مل گیا تھا۔ بھورل نے وقتی طور پر شکست تسلیم کر لی۔

پہلوان نے چار ہزار روپے نقد ادا کئے اور بھورل کو قربانی کے لئے خرید لیا۔ پھر اس نے بھورل کا کان پکڑا اور گھسیٹتا ہوا گھر کی طرف لے چلا۔ لمبا چوڑا، صحت مند بھورل، پہلوان کی گرفت میں کسی بھیگے ہوئے چوہے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ اس نے راستے میں فرار ہونے پر غور بھی کیا لیکن صرف غور ہی کر سکا۔ طاقتور پہلوان اسے اپنے گھر لے آیا۔

پہلوان کی بیوی اور اس کے بچے اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔

"ابا! کتنا پیارا بکرا لائے ہیں!!" بچے خوشی سے اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے کے لئے آگے بڑے۔ پہلوان نے چیخ کر کہا۔

"اس کے قریب بھی نہ آنا۔ یہ بڑا مرکھنا ہے۔ ٹکریں مارتا ہے !!" بچے سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔

"میں..... یں..... یں.....!! انہیں میرے پاس آنے دو۔ میں انہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ بچوں سے میں پیار کرتا ہوں !!!" لیکن بھورل کی زبان کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ بلکہ بچے تو اس کی زور دار آواز سُن کر خوف زدہ ہو گئے۔

پہلوان نے مضبوط کھونٹے سے زنجیر کے ساتھ بھورل کو باندھ دیا اور بھورل زنجیر کی طاقت کے آگے بے بس ہو گیا۔ پہلوان کی طاقت بھی زنجیر کی طرح ۔ بکرے نے سوچا۔

"اس کم بخت پہلوان کا نام یقیناً زنجیر والا پہلوان ہونا چاہئے"

بھورل کو پہلوان کے گھر آئے ہوئے دو تین روز گزر گئے تو وہ گھر کے افراد سے کچھ مانوس ہو گیا۔ پہلوان کی بیوی کو البتہ ایک ٹکر اس نے ضرور ماری تھی کیوں کہ وہ کہہ رہی تھی کہ محلے والے جب پوچھیں گے کہ اتنا شاندار بکرا کتنے میں

خریدا تو میں انہیں بتاؤں گی کہ پورے آٹھ ہزار میں خریدا ہے۔

"یعنی ڈبل قیمت۔ اتنا صاف جھوٹ!!"

بھورل کو پہلوان کی بیوی کے اس جھوٹ پر بے حد غصہ آیا۔ جھوٹوں اور منافقوں سے تو اسے بے حد چڑ تھی۔ پہلوان کی بیوی جب ڈرتے ڈرتے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے کی غرض سے اس کے قریب آئی تو بھورل نے اسے ایک ہلکی سی ٹکر رسید کی اور پہلوان کی بیوی شور مچاتی ہوئی زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ پہلوان نے اسے لپک کر زمین سے اُٹھایا پھر کہا۔

نیک بخت! پہلوان کی بیوی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تو پہلوان کی طرح طاقتور بھی ہو۔"

"یہ نیک بخت نہیں۔ بد بخت ہے۔ جھوٹ بولتی ہے۔ میں..... یں..... یں.....!!!" بکرا غصے سے چلایا۔ "مجھے جھوٹے لوگ بالکل پسند نہیں۔"

پہلوان نے گھر کے تمام افراد کو بکرے کے قریب جانے سے منع کر دیا تھا لیکن بچے باز نہ آئے۔ پہلوان کا سب سے چھوٹا بیٹا جس کے بال سنہری تھے اور جس کی آنکھیں نیلی تھیں، بکرے کو اور گھر والوں کو آرام کرتا دیکھ کر اس کے قریب آیا اور ہولے ہولے اس کی پیٹھ اور گردن پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ بھورل سر جھکائے جگالی کرتا رہا تو بچے کی ہمت بڑھی اور اس نے اپنے دوسرے بھائی بہنوں کو بھی بلا لیا۔ سب بچے پہلے تو بھورل کے قریب جانے سے ڈرے لیکن جب انہوں نے بھورل کو ننھے بھائی کا ہاتھ چاٹتے دیکھا تو ان کا ڈر خوف بھی دور ہو گیا اور وہ سب بھورل کے اردگرد جمع ہو کر اس کو پیار کرنے لگے۔ بھورل بھی پیار سے بچوں کے ہاتھ چاٹنے لگا۔

پہلوان جو گرمی سے اور بیوی کے ہر وقت بولنے سے تنگ تھا، سویا ہوا تھا۔ اچانک لائٹ چلی گئی۔ پنکھا بند ہوا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہے۔

"ہیں! بچے کہاں گئے؟" پہلوان بچوں کے خالی بستر دیکھ کر اُٹھ گیا۔ صحن میں سے بچوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بچے کسی سے باتیں کر رہے تھے۔ پہلوان نے صحن میں آ کر دیکھا اور پھر حیرت سے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے بچے بکرے کے اردگرد بیٹھے ہوئے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر رہے تھے، باتیں کر رہے تھے اور بکرا بڑی محبت سے ان کے ہاتھ چاٹ رہا تھا۔

"واہ بھئی بکرے! بچوں نے تو تجھے "رام" کر لیا!!" پہلوان نے کہا اور پھر وہ بکرے کے قریب بڑھا تو بکرا اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور چلایا۔

"صرف بچے میرے قریب آ سکتے ہیں۔

قربانی میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے اور بھورل نے سوچ لیا تھا کہ قربانی والے دن وہ پورا زور لگا کر بھاگ نکلنے کی کوشش کرے گا۔ "میں

جھوٹوں اور مُنافقوں کو اپنی قُربانی نہیں کرنے دوں گا!!"

پہلوان کے بچے بھورل سے بہت محبت کرنے لگے تھے اور پہلوان کا چھوٹا بچہ تو بھورل کا دیوانہ تھا۔ کبھی وہ اسے اپنے ننھے ہاتھوں سے ہری ہری گھاس کھلاتا تو کبھی سوکھے چنوں کا برتن اس کے آگے پیچھے لے کر پھرتا۔

بقرعید میں جب ایک دن رہ گیا تو ننھا بچہ رونے لگا اور پہلوان سے کہنے لگا "ابّا! اس بکرے کو نہ کاٹو۔ مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔ اتنا پیارا بکرا کٹ گیا تو مجھے بہت دُکھ ہو گا۔" پہلوان نے پہلے تو بچّے کے آنسو پونچھے پھر اسے بکرے کے قریب لے گیا۔ بھورل نے پیار سے بچے کے ہاتھ چاٹنے شروع کر دیئے۔

"دیکھ ابّا! یہ مجھ سے کتنا پیار کرتا ہے!!"

بچّے نے باپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو پہلوان بولا۔

"ہاں بیٹا! یہ بہت پیارا بکرا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ قربانی بہت پسند ہے جو انسان اپنی سب سے پیاری چیز کو قربان کر کے دے۔

ننھے بچّے کی سمجھ میں باپ کی بات آئی کہ نہ آئی لیکن بھورل کی سمجھ میں پہلوان کی بات گئی۔

سوچنے لگا کہ اللہ سب سے پیاری چیز کی قُربانی چاہتا ہے۔ اور بچے کی سب سے پیاری چیز میں ہوں۔

"میں اپنی قربانی ضرور دوں گا! میں ننھے بچّے کی پیاری قُربانی اللہ تعالیٰ تک ضرور پہنچاؤں گا۔"

بھورل نے دل میں مصمّم ارادہ کر لیا۔ اور قُربانی والے دن جب پہلوان نے بھورل کی اُچھل کود کے پیشِ نظر تین چار آدمی زیادہ بلا لئے تاکہ اسے گرانے میں آسانی رہے تو بھورل نے آہستہ سے چلا کر کہا۔

"میں..... یں..... یں.....!! اِتنے سارے آدمیوں کو بُلانے کی کیا ضرورت ہے، میں قُربانی کی جگہ پر خوشی سے لیٹ رہا ہوں!!!" اتنا کہہ کر بھورل قربانی کی جگہ پر لیٹ گیا۔ پہلوان، قصائی اور سب لوگ حیرانی سے یہ منظر دیکھنے لگے۔

"میں..... یں..... یں.....! جلدی سے میری گردن پر چھُری پھیر دو۔ مجھے اللہ کے پاس ننھے بچّے کی قربانی پہنچانی ہے۔" بھورل آہستہ سے چلایا۔ قصائی اس کی گردن پر چھُری پھیرنے کے لئے تیار ہو گیا تو بھورل نے آنکھیں میچ لیں پھر اچانک اسے بچّے کا خیال آیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ بچّہ ماں کے پاس کھڑا تھا اور چُپکے چُپکے اپنی پیاری چیز کے قُربان ہونے پر رو رہا تھا۔

یاہو...و...و...

جاپان میں بچے ابتدائی عمر میں مارشل آرٹ کے شوقین ہو جاتے ہیں بالکل ایسے ہی جیسے دیگر ممالک کے بچے کرکٹ، ہاکی اور فٹبال کے شوقین ہوتے ہیں۔ بعض جاپانی بچے جوڈو سیکھتے ہیں جو کہ انسان کے اپنے دفاع کے کام آتا ہے بعض کراٹے

کچھ بچے آج کل بھی "سومو" سیکھتے ہیں جو ایک قدیم جاپانی کشتی ہے۔

لیکن آج کل سب سے مقبول کھیل سیمورائی ہے۔ سیمورائی قدیم جاپان میں لڑاکا سپاہیوں کو کہا جاتا تھا جو ملک میں قانون پر عملدرآمد کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ سیمورائی سیکھنے والوں کو ایک کڑے ضابطہ اخلاق کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ اور وہ اپنے قائد کے وفادار ہوتے ہیں۔

آج کے ترقی یافتہ جاپان میں بھی لوگوں کا خیال ہے کہ مارشل آرٹ انہیں ایک بہتر انسان بننے میں مدد دیتے ہیں ان میں اعتماد، صبر و ضبط، بے خوفی اور حوصلہ پیدا کرتے ہیں۔ آج جاپان ہی نہیں پاکستان اور دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں جوڈو، کراٹے، کینڈو اور سیمورائی سکھانے کے اسکول کھلے ہوتے ہیں اور اکثر ہمیں ای۔ ی ی۔۔ یا یا یا کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

لاڈلا

صہیب جمال

آج اس نے کامیاب حملہ کیا اور اُسے اپنے ساتھ لے گیا لیکن آج میں تہیّہ کر چکا تھا کہ اس سے بدلہ ضرور لوں گا۔ میں خون کے قطروں کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ پہلے پہل تو مجھے اس کے غرّانے کی آواز آتی رہی لیکن اب سوکھے ہوئے پتوں کے چُرمُرانے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ آس پاس کی قریبی جھاڑیوں میں ہی چھپا میرے چہیتے کو چبا رہا ہو گا۔ اپنے چہیتے کا سوچتے ہی غصہ میرے انگوٹھے سے سرایت کرتے ہوئے میرے دماغ تک پہنچ گیا اور اس کی موت کا تصوّر کرتے ہی میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب وہ زخمی حالت میں مجھے چھت پر ملا تھا۔ میں اس وقت پتنگ اڑا رہا تھا۔ میری پتنگ اس وقت بہت بلندی پر تھی لیکن ایک زخمی کو دیکھ کر میں اپنی پتنگ کی بلندی کو بھول گیا۔ اور مانجھے کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر اس کی فکر میں لگ

گیا۔ شاید کسی نے جان بوجھ کر اس معصوم کو زخمی کر دیا تھا۔ اس کی مرہم پٹی اور تیمار داری میں گھر کے کسی فرد نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ جب وہ تندرست ہو گیا تھا تو ہر ایک کی آنکھ کا تارا بن گیا تھا۔ ہر کوئی اسے دیکھ دیکھ کر جیتا تھا۔ گھر والوں نے اس کا نام "چیتا" رکھا تھا۔ اور وہ واقعی سب کا چیتا تھا میرا تو بہت زیادہ .....

آج گھر میں صرف دادی موجود تھیں۔ بقیہ گھر والے گوجرانوالہ، ماموں کے بیٹے کی شادی میں گئے ہوئے تھے۔ دادی اپنا ہی کام بہت مشکل سے کر پاتی تھیں تو چیتے کو کیسے بچاتیں۔ اس سے پہلے کئے گئے حملوں کو گھر والوں کی موجودگی نے ناکام بنا دیا تھا۔ لیکن آج ظالم اپنا کام کر گیا۔

چیتے کی معصوم شکل بار بار میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھی۔ میں بدلے کی آگ میں سوکھے پتوں کی چُرمُر کی جانب آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ مجھے لگا جیسے کوئی بیدردی سے کچھ چبا رہا ہے۔ جہاں مجھے جھاڑی ہلتی ہوئی نظر آ رہی تھی، میں نے زور سے وہاں ڈنڈا دے مارا۔ وہاں سے ایک چھوٹا سا بلی کا بچہ بلبلاتا ہوا نکلا اور چلّاتا ہوا ایک طرف کو بھاگ گیا۔ وہاں وہ نہیں تھا جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں نے جھاڑیاں ہٹا ہٹا کر دیکھا تو وہ ہڈی پڑی ہوئی تھی جس میں اِدھر اُدھر کچھ گوشت لگا ہوا تھا جسے وہ بے قصور بلی کا بچہ بڑی مشکلوں سے نکال نکال کر کھا رہا ہو گا۔ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ میں نے اسے بلاوجہ مارا۔

اب مجھے اُسے تلاش کرنا تھا۔ خون کے دھبے کچھ دور تک تو نظر آ رہے تھے۔ لیکن آگے جا کر ان کے نشانات غائب ہو گئے۔ کم از کم دو ڈھائی گھنٹے کی تلاش کے بعد مجھے "چیتے" کی خون لگی وہ رِنگ ملی جو بڑی چاہ سے میں نے اس کے پاؤں میں پہنائی تھی۔ رِنگ پر لگے خون کو دیکھ کر میں بے اختیار رو دیا۔ میں رونے کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا۔

میری آنکھوں کے گرد کبھی چیتے کی وہ تصویر آ جاتی جب اسے وہ خونخوار اپنے ظالم دانتوں کے نیچے دبوچ رہا ہو گا۔ کبھی اس ظالم کی شکل سامنے آ جاتی جیسے وہ زبان سے ہونٹوں پر لگے خون کو چاٹ رہا ہو۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اور گھر والوں کے آنے سے پہلے پہلے میں اس خونخوار کی لاش ان کے سامنے رکھ دوں گا تاکہ ان کا دل بھی ٹھنڈا ہو سکے۔ میرا کھانا پینا سب خراب ہو گیا تھا۔ جیسے ہی نوالہ توڑتا مجھے لگتا جیسے "چیتا" بھوک سے بلبلا رہا ہو۔ بس.....

نوالہ واپس پلیٹ میں چلا جاتا۔ میری راتوں کی نیند بھی چیتے کی موت کی نذر ہو گئی تھی۔ شاید چیتے کی محبت ہی کچھ ایسی تھی۔ میں نے اس ظالم خونخوار کو دو تین بار ہی دیکھا تھا گھر والوں نے مجھے بتایا تھا کہ یہ وہ حملہ آور ہے جو چیتے پر حملہ کرتا ہے۔ میں اُسی وقت اس کے پیچھے پاگلوں کی طرح بھاگا کرتا تھا اور اب تو وہ میرا دشمن نمبر ایک تھا۔ اب تو میں اسے شاید زندہ ہی نہ چھوڑوں۔

دوسرے دن صبح جب میں اسکول جا رہا تھا تو مجھے اس کی جھلک سی نظر آئی۔ کیونکہ وہ ایک گھر کی دیوار پر چلتا ہوا دوسری طرف مڑ گیا تھا۔ میں بیگ کے وزن کو بھولتے ہوئے بے تحاشا اس طرف بھاگا جہاں وہ مڑا تھا، لیکن میرے اس بے تحاشا بھاگنے پر وہ تیزی سے دوڑتا ہوا ایک گھر میں گھس گیا۔

"وہ شاید اسی گھر میں رہتا ہے اب میں اس گھر کے باہر ہی اس کا انتظار کروں گا۔" یہ میری پہلی فتح تھی۔

"اب میں اسے عبرتناک سزا دوں گا۔" میں اسی دن اپنے دوست سے ایئر گن لے آیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ پہلے اسے زخمی کروں گا، پھر اس پر ڈنڈوں کی برسات کر دوں گا۔ میں انتقام کی آگ میں اور چیتے کی محبت میں اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ یہ سلوک تو اس ظلم کے بدلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر میرا بس چلتا تو میں اس کی کھال اتروا کے گلی میں لٹکا دیتا۔

میں جب بازار سے روٹی لے کر آ رہا تھا تو مجھے وہ ایک جگہ مچھلی کے بچے کھچے ٹکڑے کھاتا ہوا نظر آیا۔ میں جلدی سے گھر میں گیا اور ایئر گن لایا۔ اُسے نشانہ بنانا ہی چاہتا تھا کہ ایک بچہ جو کہ اسکول یونیفارم میں ملبوس تھا، سامنے والے گھر سے بھاگتا ہوا آیا اور اس خونخوار بلّے کو گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگا۔ وہ خونخوار بلا اس کی گود میں ایسے مچلنے لگا جیسے کوئی چھوٹا سا بچہ اپنے باپ کی گود میں ہو۔ اب میرے لئے کام اور آسان ہو گیا تھا۔ میں اس بچے سے بلّے کو آسانی سے چھین سکتا تھا۔

میں تیز تیز چلتا ہوا اس بچے کے قریب پہنچا لیکن وہ بچہ اُسے پیار کرنے میں ایسا مگن تھا کہ اسے میرے قریب کھڑے ہونے کا احساس بھی نہیں ہوا۔ آج پہلی بار میں نے اس خونخوار بلّے کو قریب سے دیکھا تھا۔

اس کے ریشمی بال دھوپ میں چمک رہے تھے۔ صحت مند سفید جسم پر خوشنما سیاہ پٹّے بھلے لگ رہے تھے۔ بھرا بھرا سا منہ، موٹے موٹے گدے جیسے پاؤں، چمکدار نیلی آنکھیں، جن میں ننھے بچے کے لئے پیار ہی پیار تھا۔ وہ اپنی گھنی سیاہ دُم بار بار بچے کے ہاتھ پر مارتا اور محبت سے منہ اس کے منہ سے رگڑنے کی کوشش کرتا۔ بالکل ایسے ہی جیسے میرا "چیتا طوطا" پیار سے ہولے ہولے میرے کان پر کاٹا کرتا تھا۔ چیتے کی یاد آتے ہی میرے اندر پھر انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔

میں نے وہیں کھڑے کھڑے اپنی ایئر گن کی نال کا رخ بلّے کی طرف کر دیا میں ابھی لبلبی دبانے ہی والا تھا کہ پہلی بار وہ بچہ بولا۔ (اس نے ابھی تک مجھے نہیں دیکھا تھا)

"میرے پیارے "لاڈلے" تم نے کھانا کھایا؟ تم تو مجھے اسکول میں بھی یاد آتے رہتے ہو۔ کاش! میں تمہیں اسکول لے جاتا..... سب کو بتاتا کہ تم میرے کتنے لاڈلے ہو۔"

اب مجھے اس خونخوار بلّے میں اپنا "چیتا" نظر آ رہا تھا۔ میں چیتے کو قتل نہیں کر سکتا تھا۔

چیتوں کی موت کا دکھ ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ انسان کو پاگل کر دیتا ہے۔ میں جو میٹرک کا طالب علم تھا اور اتنی عقل رکھنے کے باوجود بھی انتقام لینے پر اتر آیا تھا۔

یہ تو پھر بہت چھوٹا سا بچہ تھا۔ یہ تو اپنے "لاڈلے" کے بغیر مر ہی جاتا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے ہاتھ..... سُن ہو گئے ہوں۔ پھر میری گن کی نال خود بخود جھکتی چلی گئی۔

مناسب دام۔ بہت مزیدار

آنکھ مچولی

گھر بیٹھے پائیے

86 روپے بچائیے

آنکھ مچولی کے ۱۰ عام اور ۲ خاص شماروں کی سالانہ قیمت مع رجسٹرڈ ڈاک خرچ ۲۶۰ روپے بنتی ہے

مگر

ممبر شپ حاصل کرنے پر ۶۰ روپے کی خصوصی بچت

آپ ہمیں ۲۰۰ روپے کا منی آرڈر روانہ کر دیجئے ہم آپ کو سال بھر آنکھ مچولی باقاعدگی سے بھجواتے رہیں گے۔

منی آرڈر فارم پر اپنا مفصل نام اور پتہ ضرور لکھئے۔
مشرق وسطیٰ کیلئے ۴۰۰ روپے
امریکہ اور یورپ کیلئے ۵۰۰ روپے

منی آرڈر اس پتے پر روانہ کریں

ماہ نامہ آنکھ مچولی۔ 1۔ پی۔ آئی۔ بی کالونی، کراچی۔ ۵

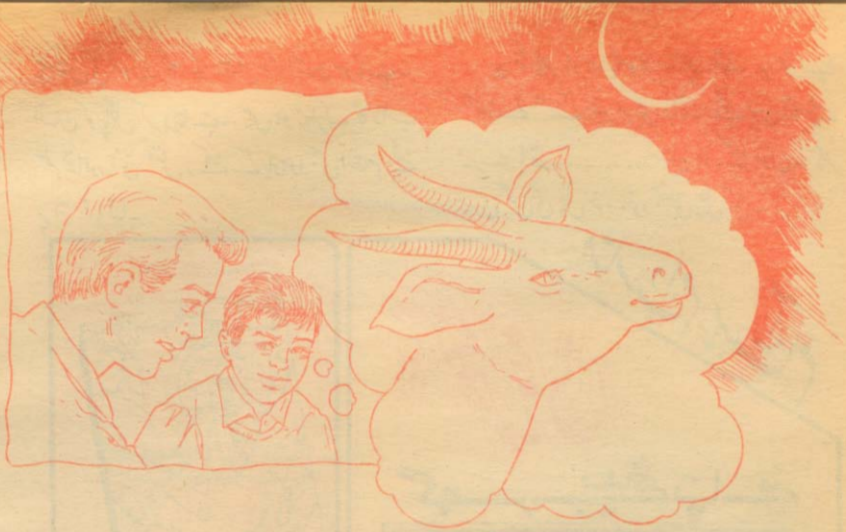

ایک بکرا لایئے

عبدالقادر

پیارے ابّو آپ مجھ پر یہ کرم فرمایئے
عیدِ اضحیٰ آرہی ہے، ایک بکرا لایئے

میں چراؤں گا اسی بکرے کو سبزہ زار میں اس کی رسی تھام کر لے جاؤں گا بازار میں
نام روشن آپ کا ہو جائے گا سنسار میں آخرت کے اجر کے حقدار بھی بن جایئے
عیدِ اضحیٰ آرہی ہے، ایک بکرا لایئے

کس طرح کا جانور ہو دانت سے اور کان سے اس کا فتویٰ پوچھئے گا مولوی غفران سے
عیدِ قربانی منائیں گے دلی ارمان سے پیارے ابو پھول خوشیوں کے ذرا بر سایئے
عیدِ اضحیٰ آرہی ہے، ایک بکرا لایئے

اپنے گھر میں اونٹ لائیں، ایسی قسمت ہے کہاں گائے یا بھینسا خریدیں، اتنی ہمت ہے کہاں؟
بیش قیمت جانور کی استطاعت ہے کہاں ایک سستا ہی سا بکرا جلد لے کر آیئے
عیدِ اضحیٰ آرہی ہے، ایک بکرا لایئے

بھیڑ، دُنبے اور مینڈھے سے مجھے رغبت نہیں میرے دل میں صرف بکرے کا تصوّر ہے حسیں
سال بھر کے بعد ایسا وقت آتا ہے کہیں مجھ کو شیریں گفتگو سے آج مت ٹرخایئے
عیدِ اضحیٰ آرہی ہے، ایک بکرا لایئے

قد نہ چھوٹا ہو کہ سمجھیں سب اسے بالشتیا اس کی آنکھوں میں نہ اُترا ہو ذرا سا موتیا
خوب تگڑا اور توانا اور ہو کھایا پیا پیارے ابّو اپنے گھر میں ایسا بکرا چاہیے
عیدِ اضحیٰ آرہی ہے، ایک بکرا لایئے

اس کا "ہنٹر بیف" بنوائیں گے جاکر لاجواب باقی ساری بوٹیوں کے ہم بنائیں گے کباب
خوب لوٹیں گے مزا اور آپ کو ہوگا ثواب عاقبت اپنی بنانے بکرا پیڑی جایئے
عیدِ اضحیٰ آرہی ہے، ایک بکرا لایئے

احسان کا بدلہ

عبدالستار طاہر

جب نوح بن منصور نے ملک خراسان کو فتح کیا تو اس نے اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے اپنی رعایا کے دل جیت لئے۔ وہ ایک بہادر، شجاع، انصاف کرنے والا اور انتہائی رعایا پرور انسان تھا۔ اس نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ رعایا کا معمولی سے معمولی فرد بھی جب چاہے بڑی آسانی سے اس کے پاس پہنچ جائے۔ وہ ہر شخص (خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ) کی فریاد بڑی توجہ سے سنتا اور اس کی داد رسی کرتا تھا۔ اپنی رعایا کے مسائل حل کرنے کے لئے اس نے وقائع نویس بھی مقرر کر رکھے تھے جو اسے روزانہ اپنے اپنے علاقے کے واقعات اور حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی رعایا کی فریادیں سننے اور ان کو انصاف فراہم کرنے کے لئے ہر لمحہ تیار رہتا تھا۔ اپنی اسی رعایا پروری کی بدولت

ایک بار اس کی جان اور سلطنت بچ گئی۔ ہوا یوں کہ ایک انتہائی غریب اور معمولی سے شخص نے نوح بن منصور کو ایک درخواست دی کہ آپ کا فلاں سپاہی مجھ سے میری گائے چھین کر کھا گیا ہے۔ میں نے اس کی منت سماجت کر کے اس کو ظلم سے روکنا چاہا تھا لیکن اس ظالم نے میری ایک نہیں سنی اور میری گائے کاٹ کر کھا گیا۔ نوح بن منصور کو جوں ہی یہ عرضی ملی اس نے اس غریب آدمی کو بلایا اور اس کی زبانی مفصل حالات سن کر بلا تاخیر ملزم سپاہی کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ جب ملزم سپاہی گرفتار کر کے پیش کیا گیا تو بادشاہ نوح بن منصور نے اسے لعنت ملامت کرنے کے بعد ملازمت سے بھی برخاست کر دیا اور اس کا گھوڑا چھین کر غریب مدعی کو دے دیا۔ کیونکہ مجرم گائے کاٹ کر کھا چکا تھا اور اب وہ کسی صورت واپس نہ آ سکتی تھی۔ علاوہ ازیں نوح بن منصور نے غریب مدعی کو پانچ ہزار درہم دیتے ہوئے کہا۔ "بزرگ محترم! گائے کی عدم موجودگی کے باعث مجبوراً آپ کو مجرم کا گھوڑا دے رہا ہوں، میں جانتا ہوں کہ گھوڑا آپ کو دودھ نہیں دے سکتا۔ اس لئے پانچ ہزار درہم بھی دے رہا ہوں، آپ ان سے اپنی پسند کی عمدہ سی گائے خریدیں اور جو رقم بچ جائے اسے اپنی ضروریات کے لئے رکھ لیں۔ گھوڑا آپ کی سواری کے کام آئے گا۔ اسے بھی اپنے ہمراہ لے جائیں۔" بوڑھا شخص گھوڑا اور پانچ ہزار درہم لے کر بادشاہ کو دعائیں دیتا اپنے گھر چلا گیا۔ اس واقعہ کو طویل عرصہ گزر گیا اور نوح بن منصور کو یاد بھی نہ رہا کہ اس نے کسی بوڑھے کے مقدمے کا کبھی فیصلہ بھی کیا تھا۔ ایک بار نوح بن منصور کے حریف عمرو بن لیث نے خراسان پر قبضہ کرنے کے لئے یہ پروگرام ترتیب دیا کہ وہ رات کے اندھیرے میں نوح بن منصور، کے بے خبر لشکر پر اس طرح حملہ کرے کہ نوح کا ایک بھی سپاہی زندہ نہ رہے اور اس حملے میں نوح بن منصور بھی مارا جائے۔ عمرو بن لیث نے اپنے اس پروگرام کو خفیہ رکھنے کا خاص اہتمام کیا اور حملے کی تاریخ بھی مقرر کر دی۔ نوح بن منصور اس پروگرام سے بے خبر بڑے اطمینان سے اپنے دن گزار رہا تھا اور یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ ان ایام میں نوح بن منصور اس علاقے میں مع اپنی فوج کے مقیم تھا جہاں اس نے غریب بوڑھے کی داد رسی کی تھی۔ قدرتِ خداوندی سے کسی طرح اس بوڑھے کو عمرو بن لیث کے اس پروگرام کا علم ہو گیا اور وہ تاریخ بھی معلوم ہو گئی جب عمرو بن لیث کو نوح بن منصور پر شب خون مارنا تھا۔ بوڑھے کو نوح بن منصور کا احسان یاد تھا جو اس نے گائے کے بدلے میں پانچ ہزار درہم اور ایک گھوڑا دے کر اس پر کیا تھا۔ بوڑھے نے نوح کے اس احسان کو اتارنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا کر فیصلہ کیا کہ وہ نوح بن منصور کو متوقع خطرے سے آگاہ کر دے گا تاکہ وہ اپنا انتظام کر لے اور بے خبری میں نہ مارا جائے۔ بوڑھا بڑے خفیہ طریقے سے بچتا بچاتا نوح بن منصور کے پاس پہنچا اور بولا۔ "حضور

میں تنہائی میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"
بادشاہ نوح بن منصور بولا۔ "بڑے میاں آپ کون ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ فرمائیں میں سن رہا ہوں۔" بوڑھے نے کہا "حضور آپ مجھے بھول چکے ہیں لیکن میں آپ کا وہ احسان نہیں بھولا جو آپ نے میری گائے کے بدلے میں پانچ ہزار درہم اور ایک گھوڑا دلوا کر مجھ پر کیا تھا۔" بادشاہ نے کہا "ہاں! اب مجھے یاد آگیا ہے مگر میں نے تو اپنا فرض ادا کیا تھا۔ اگر تمہاری درخواست کا انصاف کے تحت فیصلہ نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں خود مجرم کی حیثیت سے پیش کیا جاتا۔ یہ تم پر کوئی احسان نہ تھا۔ اب مجھے... یہ یاد کرا کے شرمندہ نہ کرو۔ اور بتاؤ کہ اب میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" بوڑھا بولا "حضور تنہائی میں عرض کروں گا۔" بادشاہ نوح بن منصور نے خیمے میں جس قدر لوگ تھے انہیں کچھ دیر کے لئے باہر بھیج دیا اور کہا۔ "اچھا بڑے میاں! اب بتاؤ کہ بات کیا ہے؟" بوڑھے نے عمرو بن لیث کے شب خون مارنے کا مکمل پروگرام بادشاہ کو بتایا اور وہ ذریعہ بھی بتایا جس سے اس پروگرام کا پتہ چلا تھا۔ یہ بُری خبر سن کر نوح بن منصور سخت حیران ہوا مگر آدمی ذہین اور بہادر تھا۔ اس لئے بلا تاخیر اپنی فوج کو تیاری کی حالت میں لے آیا اور ساتھ ہی اس نے دو ہزار بہادر اور جفاکش لڑاکے سپاہیوں کا ایک دستہ عمرو بن لیث کے راستے میں ایک مقام پر چھپا کر بٹھا دیا۔ اس دستے کے کمانڈر کو نوح بن منصور نے یہ حکم دیا کہ وہ اپنے دستے کو اطمینان سے اپنی جگہ چھپائے رکھے۔ جوں ہی عمرو بن لیث کی فوج اس مقام پر اس کی زد میں آجائے وہ بلا تاخیر کمین گاہ سے نکل کر اپنے دستے کے ساتھ اس پر حملہ کر دے۔ عمرو بن لیث اور اس کا لشکر اس اچانک حملہ کے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گے۔ نوح بن منصور نے جو سوچا تھا وہی ہوا۔ عمرو بن لیث کی فوج بڑی بے فکری کے ساتھ رات کے اندھیرے میں نوح بن منصور کی فوج پر شب خون مارنے کے لئے جوں ہی اس کمین گاہ کے سامنے پہنچی جس میں نوح بن منصور کے دو ہزار بہادر سپاہیوں کا دستہ چھپا ہوا تھا تو یکایک فوج کے دو ہزار سپاہیوں نے گھات سے نکل کر عمرو بن لیث کی بے فکر فوج پر حملہ کر دیا۔اس غیر متوقع حملہ نے عمرو بن لیث کی فوج میں بڑی تباہی مچائی۔ عمرو بن لیث کے ہزاروں سپاہی مارے گئے اور جو باقی بچے وہ بد حواسی کے عالم میں اس طرح بھاگے کہ ان میں سے بیشتر مارے گئے۔ عمرو بن لیث کو شکست سے دو چار ہونا پڑا۔ نوح بن منصور کو زبردست فتح حاصل ہوئی اور اس کا پس منظر محض اس کی رعایا پروری تھا۔ اس کی رعایا پروری نے ہی اسے تباہی سے بچا کر فتح سے ہمکنار کیا تھا۔

مارچ کی بلا عنوان کہانیوں کے نتائج چند ناگزیر وجوہ کی بنا پر اپریل کے پرچے میں شامل نہ ہو سکے جس کے لئے معذرت...... اس بار یہ نتائج شامل ہیں:-
"خواہش" منور حسین رانا، کراچی
"اندھا شہر" افتخار عالم، کراچی

ھنسو ھنسو

ایک ننھے بچے نے اپنے باپ سے پوچھا "آپ کہاں پیدا ہوئے؟" باپ نے جواب دیا "الٰہ آباد میں۔" بچے نے پھر اپنی ماں سے پوچھا "ممی آپ کہاں پیدا ہوئیں؟"

ماں نے کہا "جے پور میں۔" اس پر بچے نے پوچھا۔

"اور میں کہاں پیدا ہوا تھا؟" جواب ملا۔ "دہلی۔" یہ سن کر ننھا بچہ کچھ دیر تک حیرت میں پڑا رہا پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"حیرت ہے پھر ہم تینوں ایک جگہ کیسے اکٹھے ہو گئے؟"

مرسلہ..... محمد زاہد سلیم، کراچی۔

ایک موٹا تازہ پہلوان ایک ہوٹل میں اپنی بڑی بڑی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا داخل ہوا۔ ہوٹل کا منیجر خوشامدانہ لہجے میں بولا "واہ واہ پہلوان جی! کیسی مونچھیں ہیں ایک ایک بال ایک لاکھ کا ہے۔"

پہلوان جی نے خوب ڈٹ کر کھانا کھایا۔ بل سو روپے کا بنا۔ پہلوان جی نے منیجر کو اپنی مونچھ کا ایک بال پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ جس کی قیمت تم نے ایک لاکھ بتائی ہے۔ سو روپے اس کھانے کے رکھ لو اور باقی رقم مجھے واپس کر دو۔"

مرسلہ..... شہریار گل، اپر پایان

فٹ بال کے دو کھلاڑی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک بولا "میں نے ایک دن فٹ بال اتنی اونچی پھینکی کہ پورے دو گھنٹے بعد واپس آئی۔"

دوسرا دوست بولا "یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے ایک دن فٹ بال کو اتنا اونچا پھینکا کہ وہ دو

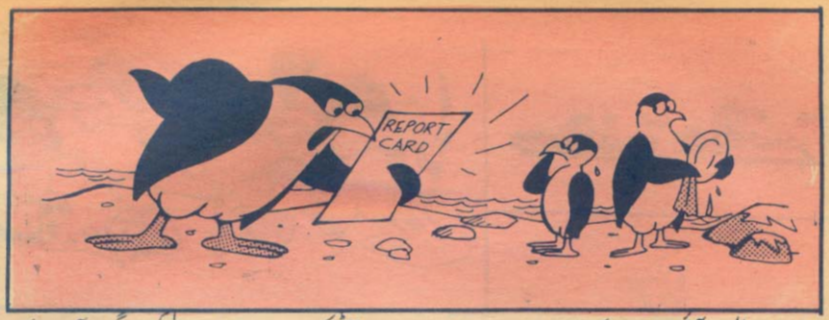

دن بعد واپس آئی اور اس کے ساتھ ایک پرچی بھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا یہ فٹ بال آئندہ چاند پر نہ آئے۔"

مرسلہ ..... محمد انوار بلوچ، کراچی۔

ایک بچہ اسکول سے رزلٹ کارڈ لے کر آیا اور سیدھا باپ کے پاس پہنچا اور خوشی سے بولا۔

"ابو، ابو! آپ بہت خوش قسمت ہیں۔"

باپ نے حیران ہو کر پوچھا: "کیسے؟"

بچہ:۔ "وہ ایسے کہ آپ کو میرے لئے نئی کتابیں نہیں خریدنا پڑیں گی۔ میں اسی کلاس میں رہ گیا ہوں۔"

مرسلہ ..... عبداللطیف شیخ، کراچی۔

اسمبلی کا امیدوار تقریر کرنے کے بعد خاموش ہوا تو کسی نے زور دار آواز میں کہا۔

"تم جھوٹے اور بے ایمان ہو، میں تمہارے مقابلے میں شیطان کو ووٹ دینا پسند کروں گا۔"

امیدوار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جناب، لیکن اگر آپ کا دوست الیکشن میں کھڑا نہ ہو تو پھر آپ مجھے ہی ووٹ دیجئے گا۔"

مرسلہ ..... عبداللطیف، شیخ، کراچی۔

ایک صاحب جو ضرورت سے زیادہ موٹے تھے۔ ایک پٹرول پمپ پر اپنی کار میں پٹرول ڈلوانے گئے۔ اور ملازم لڑکے سے کہا کہ ٹینکی میں پٹرول ڈال دو۔ لڑکے نے انہیں حیرت سے اوپر سے نیچے دیکھتے ہوئے کہا ..... "کون سی ٹینکی میں جناب؟"

مرسلہ ..... عامر شاہ، کراچی۔

استاد (شاگرد سے)۔ "معمولی" کو جملے میں استعمال کرو۔"

شاگرد: "جناب! رشید کی "ماں مولی" بہت اچھی پکاتی ہے۔"

مرسلہ ..... اطہر رضا اجنبی، کراچی

ہیڈ ماسٹر صاحب اسکول کا دورہ کرتے ہوئے جب ایک کلاس میں پہنچے تو وہاں بہت شور ہو رہا تھا

اور ایک لڑکا جو، ان سب میں بڑا تھا سب سے زیادہ شور کر رہا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اس کا کان پکڑ کر آفس لے گئے اور سزا کے طور پر ایک کونے میں کھڑا کر دیا کچھ دیر کے بعد ایک چھوٹا بچہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا "سر! بہت دیر ہو گئی ..... ہمارے ماسٹر صاحب کی سزا کب ختم ہو گی؟"

مرسلہ ..... رخشندہ سرفراز، کراچی۔

پرچہ چھپنے کے لئے پریس گیا۔ پرچہ میں ایک سوال یہ تھا کہ .....

"ماضی شکیہ کو بنانے کا طریقہ بیان کرو؟"

"جب پیپر چھپ کر آیا تو یوں تھا.....

"ماسی سکینہ کو منانے کا طریقہ بیان کرو۔"

مرسلہ ..... علی احمد جواز، عارف والا

جج ملزم سے۔ "میرے خیال میں اس سازش میں تمہارا بھی ہاتھ ہے۔"

ملزم۔ جناب یہ غلط ہے کیونکہ جب یہ واقعہ ہوا تو اس وقت میرے ہاتھ جیب میں تھے۔"

مرسلہ ..... سیدہ حنا نورین کاظمی، کراچی

ڈاکٹر (نرس سے) "وہ کنجوس مریض کس بات پر ناراض ہو رہا ہے؟"

نرس: "اس بات پر کہ ساری دوائیں ختم ہونے سے پہلے ہی وہ کیوں صحت یاب ہو گیا ہے۔"

مرسلہ ..... عبدالرؤف روفی، کراچی۔

گاہک ریستوران میں گیا اور بھنے ہوئے سالم کبوتر کی پلیٹ طلب کی جب پلیٹ سامنے آئی تو کبوتر کے گوشت نے ٹوٹنے سے انکار کر دیا۔ گاہک حیرت زدہ ہو کر منیجر کو بلانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا..... کہ اس کی نظر کبوتر کے پاؤں پر بندھے ہوئے ایک رقعہ پر پڑی جس پر تحریر تھا۔ "حملہ کل صبح کیا جائے گا۔" نیچے پیغام بھیجنے والا کا نام تحریر تھا۔ "نپولین بونا پارٹ"

مرسلہ ..... عامر خالق قریشی، ایبٹ آباد۔

حمید: "یار! انڈے اور ڈنڈے کا فرق بتاؤ۔"

شاہد: بھئی انڈا پیٹ کے اندر جا کر جسم کو گرم کرتا ہے۔ ڈنڈا باہر ہی سے گرم کر دیتا

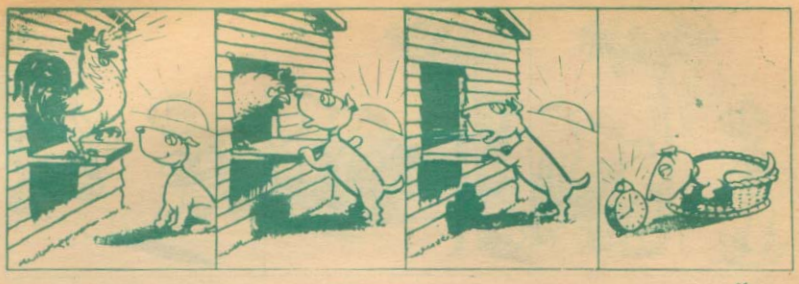

ہے۔"

ماں۔ (بیٹے سے) "اے بیٹے تم رو کیوں رہے ہو؟"

بیٹا۔ "مجھے ماسٹر نے پیٹا ہے۔"

ماں۔ "کیوں بیٹا کیا وجہ تھی۔"

بیٹا۔ "ماسٹر صاحب نے سب سے پوچھا کسی نے جواب نہ دیا۔ میں نے صحیح جواب دیا تو پیٹ ڈالا۔"

ماں۔ "ماسٹر نے کیا سوال پوچھا تھا۔؟"

بیٹا۔ "ماسٹر صاحب نے پوچھا تھا کہ "تختہ سیاہ پر ان کا کارٹون کس نے بنایا ہے۔"

مرسلہ..... عامرہ خالق قریشی، ایبٹ آباد

ماں: (بیٹے سے) "اگر تم اچھے نمبروں سے پاس ہو گئے تو ایک قلم انعام دوں گی۔"

بیٹا: "اور اگر میں اچھے نمبروں سے فیل ہو گیا تو؟"

ماں: (غصے سے) "تو جوتے!"

بیٹا: "بس امی مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے کیوں کہ میرے جوتے پھٹ چکے ہیں۔"

مرسلہ..... طارق وحید، تخت بھائی

پہلا دوست: واہ بھئی! ماشاء اللہ کیا ترقی کی ہے۔ تمہارے گھر میں تو پہلے یہ سب کچھ نہ تھا۔" دوسرا دوست: "مثلاً کیا؟" پہلا دوست "یہی بڑا سا ریفریجریٹر، ائر کنڈیشنر، رنگین ٹی وی، واشنگ مشین، یہ نئے ماڈل کی فوڈ فیکٹری، سونی کا ڈیک، وی سی آر اور یہ خوبصورت فینسی لائٹیں۔"

دوسرا دوست: "بس ایک چیز کی کمی ہے۔"

پہلا دوست: "وہ کیا؟"

دوسرا دوست: "ہمارے علاقے میں بجلی آجائے۔"

مرسلہ..... محمد معظم اختر، کراچی۔

پہلا دوست: "میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

دوسرا دوست: "ایک ہی تو منہ ہے آپ کا اسی سے کر دیجئے۔"

مرسلہ..... نبیل نذر شیخ، جھنگ صدر

نجف کا خواب

راحت صلاح الدین

نجف کی شرارتوں کا نشانہ تو گھر کے افراد بنتے ہی تھے مگر ان کی ننھی منی گڑیا جیسی بہن مشعل بھی اپنے بھیاجی کی شرارتوں سے محفوظ نہیں تھی۔ گھر میں آنے والے مہمان بھی بڑے محتاط رہتے تھے۔ اس لئے کہ سب جانتے تھے کہ یہاں پہ ایک بے حد شریر بچہ رہتا ہے جس کی شرارتوں سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

گھر والوں کی ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود نجف صاحب شرارتیں کرنے سے باز نہیں آتے، خاص کر ننھی مشعل کے ساتھ شرارتیں کرنے میں انہیں بے حد مزہ آتا تھا۔ ان پر کڑی نظر رکھی جاتی۔ دن کے وقت مما جان اور غزل آپی کی نجف پہ نظر رکھنے کی ڈیوٹی ہوتی تو رات کو ابی جانی اور رؤف بھائی جان انکی چوکیداری کرتے۔ اتنی سخت نگرانی کے باوجود نہ جانے کیسے نجف شرارتیں کرنے کے مواقع نکال لیا کرتے جس پر بھی کو

بڑی حیرانی ہوتی تھی۔

ان کی شرارتوں کی وجہ سے گھر کے بڑے انہیں اسکول میں داخل کراتے ہوئے ڈرتے تھے۔ بہر حال پہلی بار جب انہیں اسکول بھیجا گیا تو وہ بہت خوش تھے۔ ان کو اتنا خوش دیکھ کر ابی جانی، مما جان، رؤف بھائی اور غزل آپی کو بھی خوشی محسوس ہو رہی تھی اور وہ سب دل ہی دل میں دعا کر رہے تھے کہ نجف کی شرارتیں اسی بہانے ختم ہو جائیں۔

ننھے نجف کی شرارتیں اسکول جانے کے بہانے ختم تو نہیں ہوئیں مگر شرارتوں میں کمی ضرور آگئی لیکن منی گڑیا مشعل، ابھی تک نجف کی شرارتوں سے محفوظ نہیں تھی۔

اسکول میں نجف کا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا بن رہا تھا کیونکہ وہ ذہین تو تھے ہی اور اپنے شوق کی وجہ سے پڑھنے میں دلچسپی بھی لے رہے تھے۔

ایک دن نجف حسبِ معمول اسکول سے لوٹے تو کھانا کھانے کے بعد شرارتیں کرنے میں لگ گئے۔ اس دن نجف کی مما جان کو شاپنگ کرنے کے لئے بازار جانا تھا کیونکہ انہیں بہت ضروری خریداری کرنی تھی۔ لہٰذا وہ نجف اور مشعل کو غزل آپی کے پاس چھوڑ کر بازار چلی گئیں۔ دوپہر کا وقت تھا اور اس وقت ابی جانی اپنے آفس میں تھے جب کہ رؤف بھائی اپنے دوست کے گھر گئے ہوئے تھے۔ گھر میں صرف غزل آپی ہی تھیں۔ وہ نجف اور مشعل کے کھلونے نکال کر دونوں کو اپنے ساتھ کچن میں لے آئیں تاکہ رات کا کھانا تیار کرنے کے ساتھ ساتھ نجف اور مشعل پہ نظر بھی رکھ سکیں۔

پہلے تو ننھے نجف غزل آپی کو ہی تنگ کرتے رہے مگر تھوڑی دیر بعد ہی وہ اپنے کھلونوں سے کھیلنے میں لگ گئے۔ یہ دیکھ کر غزل آپی نے سکون کا سانس لیا اور کھانا پکانے کی تیاریوں میں لگ گئیں۔

نجف کچھ دیر تک تو اپنے کھلونوں سے آرام کے ساتھ کھیلتے رہے لیکن پھر ایک دم ہی ان کی آنکھوں میں شرارتی چمک لہرائی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے پہلے تو غزل آپی کی طرف دیکھا جو کھانا بنانے میں مصروف تھیں پھر کھیلتی ہوئی مشعل گڑیا کے قریب جا پہنچے اور اچانک ہی زور سے مشعل کی پونی ٹیل پکڑ کر کھینچ دی۔ جس پر تکلیف کی شدت سے وہ رو پڑی۔

مشعل کے رونے کی آواز سن کر آپی تیزی سے ان کی طرف گھومیں اور نجف کو مشعل کے پاس کھڑے مسکراتا دیکھ کر وہ سمجھ گئیں کہ نجف نے کوئی شرارت کی ہے جبھی تو ان کی ننھی منی بہن اس بُری طرح سے رو پڑی ہے۔ وہ جلدی سے اپنا کام چھوڑ کر ان کے نزدیک پہنچیں اور انتہائی غصے کے عالم میں نجف کے رخسار پر چانٹا مار دیا۔

غزل آپی کے تھپڑ نے نجف کو دن میں تارے دکھا دیئے کیونکہ انہوں نے مارا ہی اتنے زور

سے تھا۔ نجف پہلی بار پٹے تھے اس لئے رو پڑے۔ آپی نے انہیں نظر انداز کر دیا اور روتی ہوئی مشعل کو بہلانے میں مصروف ہو گئیں۔

نجف نے یہ دیکھ کر کھلونوں کو زور سے ٹھوکر ماری اور روتے دھوتے سیدھے اسٹور روم میں جا پہنچے۔

روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ کوئی ان کے آنسو پونچھے اور پیار کرے اچانک انہیں رات والی پری کی کہانی یاد آئی جو انہوں نے رات رؤف بھائی سے ضد کر کے سنی تھی، تو ان کا جی چاہا کہ اس وقت وہ پری ہی ان کے پاس آجائے۔

"اچھی پری!" نجف نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے آواز دی تو یکایک سر پہ چمکدار تاج پہنے اور ہاتھوں میں جادوئی چھڑی لئے ایک پری چھم سے ان کے سامنے آموجود ہوئی۔ نجف میاں تو حیران ہی رہ گئے۔

"آ..... آ آ..... آپ..... آپ رات والی کہانی کی ملکہ پری ہیں نا؟؟" حیرت و خوشی سے نجف ہکلا کر رہ گئے۔

"جی ہاں، میں پرستان کی ملکہ پری ہی ہوں۔" پری نے مسکرا کر کہا تو اس کے گالوں میں ہلکے سے گڑھے پڑ گئے جو نجف میاں کو بہت اچھے لگے۔

"اچھی پری، میرے ابی، مما، بھائی اور آپی سب بہت خراب ہیں۔ مجھے ہمیشہ ڈانٹتے ہی رہتے ہیں اور آج تو غزل آپی نے مجھے تھپڑ مار دیا ہے۔" نجف پری کے سامنے رو پڑے۔

"آپ گندے بچے ہیں تبھی تو سب آپ کو ڈانٹتے ہیں اگر آپ اچھے بچے ہوتے تو آج آپ کو تھپڑ کھانے کو نہ ملتا۔" یہ سن کر تو نجف کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔ پری کچھ دیر تک چُپ رہی پھر بولی۔ "کیا آپ اپنی چھوٹی بہن مشعل سے پیار کرتے ہیں؟"

"ہاں بہت..... وہ تو مجھے اچھی لگتی ہے۔"

"تو پھر آپ انہیں تنگ کیوں کرتے ہیں؟ اپنی شرارتوں سے انہیں رُلاتے کیوں ہیں؟"

پری کی یہ بات سن کر نجف میاں شرمندہ ہو گئے۔ کچھ دیر تک وہ شرمندگی سے سر جھکائے رہے پھر بات پلٹتے ہوئے بولے۔ "کیا آپ مجھے پرستان کی سیر کرائیں گی؟"

"لیک شرط پر!" پری مُسکرائی تو اس کے گالوں میں پھر گڑھے پڑ گئے۔

پہلے آپ وعدہ کریں کہ گندی شرارتیں کرنا چھوڑ دیں گے اور مشعل کو بھی تنگ نہیں کریں

موم بتی

جرمنی کے ایک گرجا گھر میں سالانہ مذہبی جشن کے موقع پر ایک موم بتی لائی گئی جس کا وزن ۳۵ پونڈ تھا اور لمبائی ۴۲ فٹ تھی یہ موم بتی گرجا گھر میں سارا سال جلتی رہی۔

مرسلہ..... محمد عمر سومرو، خیر پور سادات

گے تو آپ کو سیر کرانے کا سوچا جا سکتا ہے۔"
پری نے کہا تو نجف نے جلدی سے وعدہ کر لیا اور پری سے ہاتھ بھی ملا لیا۔

"اچھا اب ذرا اپنی آنکھیں تو بند کریں ......!!" پری نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ نجف میاں نے آنکھیں بند کر لیں، تھوڑی دیر بعد ملکہ پری نے انہیں آنکھیں کھولنے کو کہا تو نجف نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ پرستان میں پہنچ چکے تھے۔ اتنی دلکش اور خوبصورت جگہ دیکھ کر تو وہ حیران ہی رہ گئے۔ یہ تو ان کے تصور سے بھی کہیں زیادہ خوب صورت جگہ تھی جو انہوں نے خیالوں ہی خیالوں میں پریوں کے دیس کے بارے میں سوچ کر قائم کر رکھا تھا۔ ملکہ پری نجف کو پرستان کی سیر کرانے لگی۔

پرستان میں قسم قسم کی خوبصورت چیزیں تھیں دودھ اور قسم قسم کے شربتوں کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ درختوں پر قسم قسم کی ٹافیاں لگی تھیں۔ نجف اُچھل اُچھل کر ٹافیاں کھانے لگے۔

پرستان میں بے شمار چھوٹی بڑی پریاں تھیں جو رنگ برنگ لباس پہنے اور کپڑوں پر ڈھیروں خوشبو اُنڈیلے اِدھر اُدھر آ جا رہی تھیں۔ وہاں عجیب و غریب لمبی لمبی داڑھیوں والے بونے بھی تھے جو درختوں سے ناشپاتیاں توڑ توڑ کر کھا رہے تھے۔ اور منہ بنا رہے تھے ...... (شاید ناشپاتیاں کھٹی تھیں) ایک جگہ بڑا سا درخت تھا جو قسم قسم کے کھلونوں سے لدا تھا۔ بہت سے بونے درخت پر چڑھے اپنی اپنی پسند کے کھلونے توڑ رہے تھے۔

نجف بڑے اشتیاق سے کھلونے والے درخت کو دیکھنے لگا تو بونے چیخنے چلّانے لگے۔ "شرارتی! ...... ہمارے کھلونوں کے ساتھ شرارت کرنے آیا ہے ...... مارو اس کو پکڑو ...... پکڑو ......!!" کچھ بونے جلدی جلدی درخت سے اُترے اور نجف کو پیٹنے لگے۔ "اچھی پری مجھے بچاؤ۔ یہ لوگ مجھے مار دیں گے ......"

نجف میاں تکلیف سے چلّائے لیکن پری تو انہیں چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ بونوں کی لاتیں گھونسے کھاتے رہے۔ "اُف! ...... اچھی پری! تم کہاں ہو؟" نجف نے اِدھر اُدھر پری کو تلاش کرنے کے لئے نظریں دوڑائیں اسی وقت ایک لمبی ناک والا بونا ان کے سر پر ہاتھ مار کر چیخا "اب کرو گے شرارت؟" ساتھ ہی تمام بونوں نے مل کر انہیں زور سے دھکا دیا تو وہ بری طرح نیچے گر پڑے اسی وقت ان کی آنکھ کُھل گئی۔ انہوں نے دیکھا وہ اسٹور روم کے فرش پر پڑے ہیں اور امی کی گود میں ان کا سر ہے جب کہ ابی، رؤف بھائی اور آپی اور ننھی مشعل ان کے قریب حیرانی و پریشان کھڑے ہیں۔ امی پوچھ رہی ہیں۔

"کیا ہوا بیٹا کیا خواب میں ڈر گئے تھے؟" اور ان کے منہ سے ایک ہی آواز نکل رہی ہے "نہیں ...... نہیں ...... مجھے مت مارو میں شرارت نہیں کروں گا میں ...... اب شرارت نہیں کروں گا!!"

چنو کی توبہ

نٹ کھٹ بچّوں کے لیے محمد علی انصاری کی خوبصورت تصویری کہانی

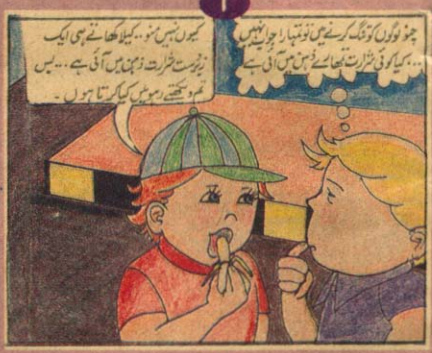

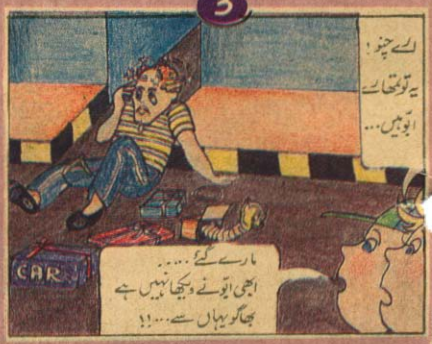

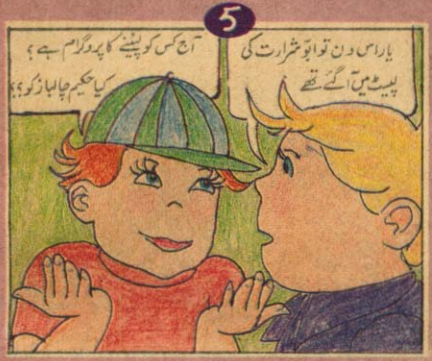

چھوٹی توبہ

نٹ کھٹ بچوں کے لیے محمد علی انصاری کی خوبصورت تصویری کہانی

انعامی مقابلہ

امتحان ہے آپ کی ذہانت کا

گزشتہ ماہ کے سوالوں کے درست جوابات :۔

۳- کار کا رجسٹریشن نمبر ۵۷۷۲ ہے ۔ کیونکہ نمبر
کے آخری دو ہندسوں سے بننے والا عدد ہے
۷۲ اور ۲۷ کا مربع ۵۷۷۲ کے برابر ہوتا ہے ۔

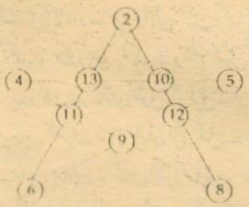

۴-

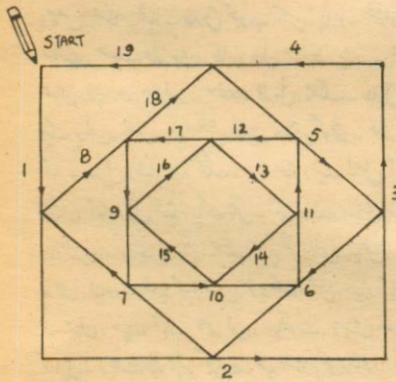

۲۔ چار سو صفحات پر مشتمل جمیرا کی کتاب میں صفحات نمبر لکھنے کے لئے ۱۰۹۲ ہندسے استعمال ہوئے ۔

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب:۔

محمد معظم اختر، لاہور

تمام درست جواب بھیجنے والے ساتھی:۔

عدیل گوہر، کراچی۔ راؤ ارشد الیاس، فیصل آباد۔ سید راحت حسین نقوی، کراچی۔ رضوان احمد، کراچی۔ عنبرین کنول، کراچی۔ عنبرین آرائیں، محمد خالد آرائیں، محمد طارق آرائیں، نواب شاہ۔ دانش خاور، کراچی۔ مریم یوسف، کراچی۔ سید مونس امین، کراچی۔ دیدو یاس جی لوہانہ، ٹنڈو جان محمد۔ سید احسن علی، کراچی۔ سید مہوش متین، کراچی۔ فرحین بدر، ملتان، عائشہ اقبال، کراچی۔ احمر فرقان، ملتان۔ شازیہ عندلیب اعوان، کراچی۔ سمیر فاروق، ملتان۔ غضنفر قریشی، در ثمین، عرنیب قریشی، رضوانہ بہار نسیم، سطوت قریشی کراچی۔ صغرا پروین، کراچی۔ شاہانہ عفت، ملتان۔ حمید احمد ڈوگر، لاہور۔ نوید اختر، لاہور۔ سیدہ آزیبہ متین، کراچی۔ سہیل اختر انصاری، لاہور۔ سید دانش متین، کراچی۔ میمونہ ساجد، کراچی۔ فرحت علوی، پنارو۔ ارشد عباس، چار سدہ۔ وقاص جبار، اٹک۔ سارہ جبار، اٹک۔ وسیم مشتاق گل، کلر کہار۔ نوید مشتاق، کلر کہار۔ طاہر جمیل، کراچی۔ سائرہ صدف، رحیم یار خان۔ سیدہ کاشفہ خاتون نقوی، کراچی۔ نوین گل، پشاور۔ عمر فاروق قیصر، میمونہ کوثر، محمد شبیر صدیقی، علی رضا، شہزاد محمود، محمد سلیم طاہر، ظفر اللہ ضیا، نیلوفر رانی، کملیہ۔ حنا جمیل، کراچی۔ محمد کاشف شیخ، کراچی۔ جواد احمد ملک، جیکب آباد۔ عمارہ سعید، نبیلہ سعید، بہاولپور۔ نفیس اختر، کراچی۔ حافظ خرم رفیع مغل، اٹک۔ یاسر حماد مغل، واہ کینٹ۔ محمد فرخ ضیا، محمد فیصل ضیا، محمد فہیم ضیا، بہاولپور۔ محبوب الٰہی میمن، ٹنڈو آدم۔ محمد وقاص، اسلام آباد۔ طارق محبوب میمن، پنارو۔ شہزاد رشید خان، فرخ رشید خان، لاہور۔ فدیہ عنائت، نادیہ امان، انیلہ عنائت، حسیب اللہ جان، طاہرہ بلال عنائت، پشاور۔ محمد نوید آرائیں، آفتاب احمد، حیدر آباد۔ محمد یوسف راجپوت، محمد عمران راجپوت، بہاولپور۔ حفصہ فاروقی، جھنگ۔ طارق سعید، حیدر آباد۔ سید علی فاروق جمیل، رحیم یار خان۔ محمد نعیم ملک، بلیک پرنس، بھکر۔ مولابخش بلوچ، ساجن گوٹھ۔ صفدر احمد، چکوال۔ سید عقیل گردیزی، پشاور۔ گل زرین مغل، ایبٹ آباد۔ عدیل رضا، تلہ گنگ۔ راؤ سجاد رشید، فیصل آباد۔ خاور جعفری، کراچی۔ محمد عرفان، اٹک۔ امیر عالم، بہاولپور۔ ذیشان آغا، رفیق شاہد، پاک پتن۔ محمد ارشد، منڈی بہاوالدین۔ امجد اقبال، سعید اختر، فواد نبی، ظفر اللہ خان شیزی، منڈی بہاؤالدین۔ ربیعہ فاروقی، جھنگ۔ پرنس انس ریاض، ساگری، پرنس عمر ریاض ساگری، دینہ۔ رؤف ایاز، بھلوال۔ یاسر عدنان، لاہور۔ شنید محمود میمن، نوید محمود میمن، حیدر آباد۔ محمد مبشر ہارون، لاہور۔ عائزہ سلیم، رحیم یار خان۔ فیضان سیف الرحمان، حیدر آباد۔ احمد نوید، سیالکوٹ، ذیشان سرور، سرگودھا۔ عروج زہرہ راولپنڈی۔ تیمور قریشی، یوسف قریشی، کراچی۔ رحمت اللہ بشیر گجرات، عبدالسلام گوجرانوالہ۔ احسان الحق، فیصل آباد۔ حماد الرحمٰن احمد، محمد زبیر، لاہور۔ صائمہ نازیہ سلیم، کراچی۔ ملک محسن رضا، بہاولپور۔ محمد ارسلان، کراچی۔ سید شجاع الحسنین، کراچی۔ ضیاالرحمان، مروت، تتر

خیل۔ عثمان امجد، لاہور۔ عمر نعیم بلوچ، ابتسام منیر، فہد ندیم، بہاولپور۔ محمد طٰہٰ شیخ، محمد عاطف شیخ، کراچی۔ ذیشان اظہر، عرفان فیصل، رحیم یار خان۔ ملک محمد یوسف، ملک محمد فاروق، ملک محمد یونس، محمد حسن سروش، نواب شاہ۔ عامرہ خالق قریشی، ایبٹ آباد۔ صبا ارم، واہ کینٹ۔ محمد عاصم سلیم، حماد شیخ، کراچی۔ نوشین احمد، گوجرانوالہ۔ ثناقیصر سہیل، اسلام آباد۔ یاسر بن نثار، راولپنڈی نوید فاروق، گجرات۔ غزالہ غزل، سبل فصاحت، کراچی۔ وحید احمد، احمد نوید، ثمینہ رانی، سیالکوٹ۔ دانش بلال لودھی، بہاولپور۔ فوزیہ سیف الرحمٰن، حیدر آباد۔ علی بن ضیاء فیصل آباد۔ حسن انظار عثمانی، علی جواد رضا، صائمہ کوثر، لاہور۔ ملیحہ ثانیہ سحرش، واہ کینٹ۔ احسن جاوید، ابوالا علیٰ نفیس احمد، لاہور۔ محمد اشرف کھوکھر، اوکاڑہ۔ صباحت حبیب خان، لبنیٰ غزل، کراچی۔ منزہ چوہان، بہاولپور۔ محمد عرفان، لاہور۔ عامر منیر، اسلام آباد۔ کے ایم عارف، بہاولنگر۔ چوہدری محمد قاسم گورایہ، چوہدری حماد الرحمٰن گورایہ، چوہدری رضوان احمد گورایہ، حمیرا ناز مغل، گوجرانوالہ۔

ایک غلطی کرنے والے ساتھی:۔

وسیم احمد، مصحف رسول، کراچی۔ محمد قاسم بخش، بہاولپور۔ صفیہ عنائت اللہ، اسلام آباد۔ صائمہ دلدار، جھمرہ سٹی۔ رب نواز کھٹی، بدین۔ کرن عباس، کاشف الدین، نوید خان، مظفر جاوید، کراچی۔ محمد امین شاہد، منیر احمد، محمد اصغر ندیم، محمد افضل عابد، کمالیہ۔ ایم ایم میمن، سکھر۔ حمیرا تبسم، مکلی۔ اسد علی شاہ، اسلام آباد۔ مسعود حسین، میرپور خاص۔ قرۃ العین جاوید، راولپنڈی۔ سیما عقیل راجپوت، حیدر آباد۔ از کیٰ اسلام گل، ملتان۔ ابتسام ساجد، محمد اسکم رحمانی، ساجد کمالوی، انشی حسنات، محمد ارشد، محمد اشرف، شریف محمد، کمالیہ۔ صابر بھمبرو، سعدیہ صدیقی، نوید احمد، کراچی۔ زبیر احمد چیمہ، سجاد احمد چیمہ، ملتان۔ طارق علی یوسفی، زرتاشہ بلوچ، حیدر آباد۔ یاسر آفتاب، عملہ حبیب خان، لاہور۔ محمد عاصم سبحان، کندیاں۔ قرۃ العین فخر، ہری پور۔ میاں فیاض احمد، میانوالی۔ شبنم عقیل راجپوت، حیدر آباد۔ تہمینہ برڑو، ٹھٹھہ۔ محمود الحسن معاویہ، خوشاب۔

ایک سے زیادہ غلط جواب دینے والے ساتھی:۔

نعیم شریف، سیدہ حنانورین کاظمی، کراچی۔ ثاقب حکیم، لاہور۔ سید علی عمران زیدی، حیدر آباد۔ محمد کامران کریم شیخ، سکھر۔ عبدالقدیر انڈہڑ، پنوعاقل۔ ارم فاطمہ، سکھر۔ نوید انور مری، کراچی۔ حمیرا صدیقی، کوئٹہ۔ چوہدری محمد عاطف قدیر، لیہ۔ محمد اشفاق کامران، سکھر۔ محمد شعیب تھیبہم، ڈی آئی خان۔ انوار خورشید، لبنیٰ سعدیہ، عدیل احمد، کراچی۔ دریہ قیصر، زوبیہ رضا، ربیعہ فاطمہ، وقاص قیصر، حرا قیصر، فریحہ قیصر، شفق قیصر، ڈیرہ غازی خان۔ سکندر علی میمن، چوہڑ جمالی۔ رابعہ شفیق، لاہور۔ فیصل مختار، پرنس ملک سرفراز احمد، عاطف جمشید، ملتان۔ طٰہٰ احمد، کراچی۔ عاشق علی مائری، مانجھی پور۔ یحییٰ خان، گوادر۔ افشاں شبیر احمد، گوجرانوالہ۔ فیصل جارچوی، کراچی۔ لعل بخش شیخ، مانجھی پور۔ محمد شکیل، ہالہ۔ طاہرہ گل، پشاور۔ سلیمان خان یوسف زئی، حیدر آباد۔

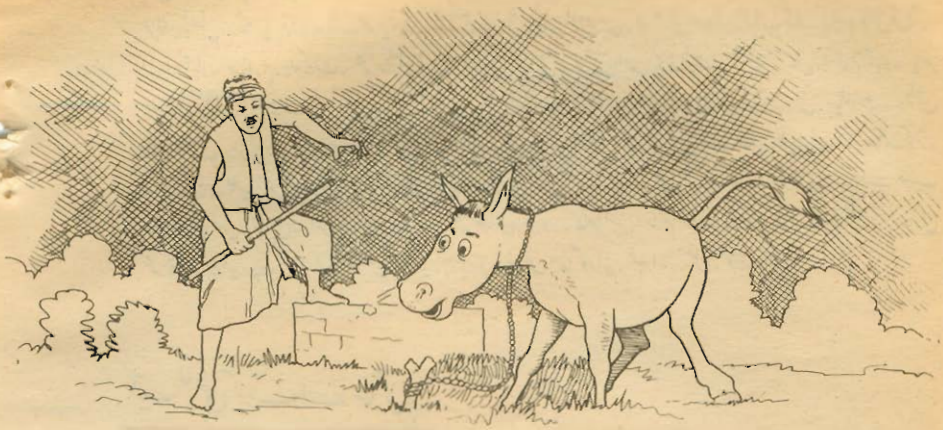

گدھے کی شرارت

محمد جاوید خالد

کسان ایک تھا ایک اس کا گدھا تھا
گدھا کم فہم تھا بہت ہی نکما

وہ تھا کام چور اور یہ سوچتا تھا
کہ میں کام کرتا ہوں اتنا بہت سا

اگر مجھ سے خوش میرا مالک نہیں ہے
ستم ایسا دیکھا تو دیکھا یہیں ہے

نہیں کھانے دیتا مجھے پیٹ بھر کر
نکما ہوں میں یہ وہ کہتا تھا اکثر

اسی گھر میں تھی ایک بلّی بھی رہتی
نہ کچھ سوچتی وہ نہ کچھ منہ سے کہتی

کسان اس کو دیتا جو خوش ہو کے کھاتی
خوشی سے اسے دیکھ کر مسکراتی

دیئے ایک دن پھر جو بلّی نے بچے
سفید اور کالے لگیں اتنے اچھے

کہ مالک صبح و شام پیار ان کو کرتا
وہ ہاتھوں پہ اپنے سوار ان کو کرتا

اُچھل کود ان کی تماشے دکھاتی
ہر ایک ان کی حرکت ہنسی لے کر آتی

کسان ان کو بے حد خوشی سے بُلاتا
وہ ہاتھوں سے کھانا بھی ان کو کھلاتا

جو مالک کو بچّوں پہ دیکھا مہرباں
گدھا اپنے دل میں ہوا سخت حیراں

یہ سوچا کہ بلّی کے بچّوں کی نسبت
بہت کام کرتا ہوں میں، لیکن اُلفت

میسّر ہے ان کو ہی مالک کی ہر دم
میں جن سے ہوں بس اک اُچھل کود میں کم

اگر میں بھی اس فن کا لے لوں سہارا
تو بن جاؤں مالک کی آنکھوں کا تارا

یہ سوچا شروع پھر اُچھل کود کردی
ہو بجلی نے جیسے کہ جان اس میں بھر دی

رہا دیر تک وہ دولتی چلاتا
ادھر سے ادھر جوش میں آتا جاتا

کسان اس کی منطق بھلا کیا سمجھتا
نئی بات تھی یہ نیا کام دیکھا

یہ سمجھا کہ گھیرا ہے مکھیوں نے مل کر
یا شاید ستاتے ہیں آ آ کے مچھر

گدھے کے مگر جب وہ نزدیک آیا
نہ مکھی ہی دیکھی نہ مچھر ہی پایا

کہا اس نے کچھ سوچ کر جی میں آخر
اُچھل کود ہے یہ شرارت کی خاطر

لیا اس نے ڈنڈا وہ کی پھر پٹائی
دھما چوکڑی سب گدھے کی بھلائی

کریں گے شرارت جو بے سوچے سمجھے
پھنسیں گے وہ آخر گدھے کی طرح سے

سمجھتے ہیں جو نقل میں کامیابی
تو ہاتھ ان کے آتی ہے خانہ خرابی

یوں دُرگت یہ عادت بناتی ہے ان کی
وہ پٹتے ہیں عزّت بھی جاتی ہے ان کی

زمانہ بدل گیا ہے

منیر احمد راشد

حاتم طائی کے جی میں آئی کہ دنیا کی سیر کی جائے۔

اس نے اللہ میاں سے اجازت لی اور ایک فرشتے کو ساتھ لے کر زمین پر اتر آیا۔ فرشتے نے جہاں اسے چھوڑا، وہ ایک پہاڑی علاقہ تھا۔ ویران اور خشک۔ دور دور تک نہ آدم نہ آدم زاد۔ نہ سبزے کا پتا نہ پانی کا نشان۔ صبح کا وقت تھا۔ سورج نے ایک اونچی چوٹی کے پیچھے سے جھانک کر اسے دیکھا۔ حاتم طائی نے سورج کو دیکھا اور سمجھ گیا کہ مشرق اِدھر ہے۔ اب اس نے مغرب کی جانب منہ کیا، اللہ کا نام لیا، اور چل دیا۔ وہ مسلسل تین دن اور تین رات چلا کیا۔

رستے میں بھوک پیاس نے تنگ کیا تو وہ اپنے ساتھ عالم بالا سے لائے ہوئے پھل اور پانی کھاتا پیتا رہا۔ تیسرے دن تمام زادِ راہ ختم ہو گیا لیکن پہاڑی علاقہ ختم نہ ہوا۔ کوئی اور ہوتا تو تھکن کے مارے مر جاتا۔ مگر حاتم طائی پرانے زمانے کا سخت جان آدمی تھا۔ تین دن اور تین رات اور چلتا

رہا۔ بالآخر وہ ایک دریا کے کنارے پہنچا۔ دریا کا پاٹ چوڑا نہیں تھا لیکن پانی بہت تیز تھا۔ دوسری طرف آبادی کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔ اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ انسانوں کے درمیان تو پہنچا۔ سوچا، دریا پار کیسے جاؤں، کوئی کشتی ہونی چاہئے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک کشتی دریا میں ظاہر ہوئی اور اس کے پاس آکر رک گئی۔

کشتی خالی تھی۔ حاتم اللہ کا نام لے کر اس میں سوار ہوا اور دریا پار کر کے بستی کی جانب روانہ ہو گیا۔ بستی کے قریب پہنچا تو ہر طرف ایک عجیب سی بو محسوس کی ..... جیسے یہاں طاعون کی بیماری پھیلی ہو۔ پہلے تو پریشان ہوا کہ کہیں اسے بھی یہ بیماری نہ لگ جائے لیکن پھر خیال آیا کہ اب وہ اس دنیا کا باسی نہیں ہے، لہٰذا اسے اس دنیا کی کوئی بیماری نہیں لگے گی۔ اطمینان سے بستی میں داخل ہو گیا۔ اس کا خیال ٹھیک ہی نکلا۔ وہاں صرف طاعون ہی کی نہیں بلکہ اور بھی بہت سی خطرناک بیماریاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر طرف ایک ہڑبونگ مچی تھی۔ ہر آدمی جلدی جلدی کہیں جانے کے چکر میں تھا۔ سبھی انسان بیمار تھے۔ کسی کا چہرہ بالکل پیلا ہو رہا تھا۔ یرقان زدہ، کسی کی آنکھیں اندھی تھیں، کسی کا پیٹ بالکل مٹکا بنا ہوا تھا، کسی کی کمر میں کوبڑ نکل آیا تھا، کوئی ہاتھوں سے بے کار تھا تو کوئی ٹانگوں سے لاچار، کوئی ٹی بی کا مریض تھا تو کوئی کوڑھ میں مبتلا۔ ایک بیماری تو سبھی کو لگی ہوئی تھی..... بے چینی کی بیماری۔ ہر کوئی بے چین تھا..... جلدی میں تھا ..... یوں جیسے وہ آہستہ ہوا یا رکا تو مارا جائے گا۔

حاتم طائی نے سوچا کہ کیا ان کے پیٹ میں درد ہے جو یوں بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔

آخر چلتے چلتے حاتم طائی ایک بہت ہی بوڑھے شخص کے مکان پر پہنچا۔ اس نے حاتم طائی کی خوب خاطر تواضع کی۔ حاتم طائی نے مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ باتوں باتوں میں بستی کے لوگوں کی بیماری کا ذکر نکل آیا تو بڑے صاحب یک دم غصے سے بھڑک اٹھے۔ انہوں نے کہا۔

"اس بستی کے لوگ ایک بڑے عذاب میں مبتلا ہیں۔ یہ ان کے اپنے کرتوتوں کی سزا ہے جو انہیں مل رہی ہے ..... اور نجانے کب تک ملتی رہے گی..... اور ان کی وجہ سے ان کی آئندہ نسلوں کو بھی ملتی رہی گی۔"

حاتم طائی کو بزرگ کی باتوں پر حیرت ہوئی۔ پوچھا۔

"آخر ایسی کیا خطا کی ہے انہوں نے ..... جو آپ اس قدر برہم ہو رہے ہیں؟"

"کوئی ایک خطا.....!! بھائی حاتم طائی یہ لوگ تو خطاؤں کی پوٹ ہیں۔ ..... ان کا ہر کام الٹا ہوتا ہے ..... کہو مغرب کی تو کریں گے مشرق کی ..... ان کی بھلے کی بات کہو تو فوراً مخالفت پر کمر باندھ لیں گے ..... ہر وہ آدمی جو انہیں تھوڑا سا وقتی فائدہ پہنچا دے، ان کا دیوتا بن جاتا ہے ..... اور یہ "دیوتا" مطلب نکل جانے کے بعد صرف "دیو" رہ جاتا

ہوانہیں مدتوں کھاتا رہتا ہے..... مگر مجال ہے
پنی روش بدلیں..... سدا اسی کی پوجا کئے جائیں
"
....
لیکن ان بیماریوں کا کسی دیوتا سے کیا
؟"
تعلق تو ہے..... بہت گہرا تعلق..... کوئی سوا
ں پہلے ایسا ہی ایک دیوتا انہیں ملا تھا۔ ان
بستی میں قحط پڑا ہوا تھا۔ حالانکہ زمین کے
نی موجود تھا اور تھوڑی سی سخت محنت کے بعد
حاصل بھی کیا جاسکتا تھا، مگر قحط کی وجہ سے
کے دل اور دماغ کمزور ہوگئے تھے۔ وہ سخت
کرنے کے قابل نہیں تھے۔ ایسے میں ایک
زل ہوا۔ اس نے بستی والوں کی انگلی پکڑی
ر کے پہاڑوں میں لے گیا۔ وہاں ایک چشمہ
بہت خوبصورت، دلکش اور حسین۔ اس کا
ں بہت ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ دیوتا نے اپنی پوجا
کے بدلے میں یہ چشمہ بستی والوں کو عطا کر
اس چشمے کا نام ہے "ہوس کا چشمہ۔"
ٹھا اور مزیدار پانی لوگوں کے منہ کو ایسا لگا کہ
دوسرے تمام پانیوں کو بھول گئے..... لیکن
ت یہ بھی ہوئی کہ اس مزے دار اور فرحت
نی کی وجہ سے لوگ طرح طرح کی بیماریوں
لا ہوگئے۔ تم نے بستی میں چاروں طرف جو
ں دیکھی ہیں، وہ اسی پانی کی وجہ سے ہیں۔
ہوگئیں لوگ وہ پانی پیتے اور بیمار رہتے ہیں۔
ان بیماریوں کا احساس ہی ختم ہوگیا ہے۔
لوگ تکلیفوں میں رہنے کے اتنے عادی ہوگئے ہیں
کہ میں تو سوچتا ہوں کہ اگر کبھی یہ سب لوگ
تندرست ہوگئے اور انہیں سہولتیں میسر آگئیں تو
شاید ان کا جینا مشکل ہو جائے۔"

بزرگ نے غم اور غصے کے عالم میں اپنی بات
مکمل کی۔

"کیا ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ وہ پانی
نقصان دہ ہے۔ یہ باز کیوں نہیں آجاتے..... کیا
یہاں پینے کے لئے دوسرا پانی موجود نہیں ہے؟"

حاتم طائی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہے کیوں نہیں..... ہر گھر میں نلکا لگا ہوا ہے
..... مگر کوئی ان سے پانی نہیں پیتا۔"

"حیرت ہے..... تو جناب کیا ان کا کچھ علاج
بھی نہیں ہو سکتا۔" حاتم طائی کی نیکی کی
رگ پھڑکی۔

"علاج ممکن تو ہے..... مگر بہت مشکل ہے
..... بلکہ یوں سمجھئے کہ ممکن ہی نہیں ہے۔"

"ایسا مت کہئے..... اللہ نے ہر مرض کی دوا پیدا
کی ہے۔"

"مگر جو قوم خود تباہ ہونا چاہے اس کا کیا
علاج؟"

"خیر اب انسان اتنا بھی کم عقل نہیں ہوگیا ہے
کہ خود موت کے منہ میں جا گرے۔"

حاتم طائی نے کہا اور بزرگ اس کی سادگی پر
مسکرا دیئے۔

"بھائی حاتم طائی..... زمانہ بدل گیا ہے.....

آج کل سب ممکن ہے۔"

"خیر چھوڑیئے...... آپ یہ فرمائیے کہ ان کا علاج کس طرح ممکن ہے...... اگر اللہ نے چاہا تو شاید میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔"

بزرگ نے تھوڑی دیر تک حاتم طائی کو گھورا ...... پھر بولے۔

"دیکھو میاں ...... میں پچھلے پچاس سال سے ان کا علاج کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر چند آدمیوں کے علاوہ کوئی بھی میری بات سننے کے لئے تیار نہیں ہے...... اور پھر میرے اتنے وسائل بھی نہیں ہیں کہ سب کا علاج ایک ساتھ کر سکوں۔"

"کیا سب کا علاج ایک ساتھ ہو سکتا ہے؟"

"ہاں ممکن تو ہے۔" بزرگ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم رہنے دو..... اس کا فائدہ کچھ ہو گا نہیں ...... یہ قوم سدھرنے والی نہیں ہے۔"

بزرگ کی بات سن کر حاتم طائی نے دل میں سوچا۔

"بے چارے پچاس سال کی ناکامیوں کا وجہ سے مایوس ہو گئے ہیں۔" وہ بولا۔

"حضرت آپ مایوس مت ہوئیے ...... علاج کرنے کی کوشش کیجئے ...... اللہ نے چاہا تو اس بار آپ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔"

"مجھے تو نہیں لگتا۔"

"دیکھئے......ایسا کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کا علاج کیجئے ...... انہیں چشمے کے پانی سے پرہیز کی ہدایت کیجئے......ادھر میں کوشش کر کے وہ چشمہ ہی بند کروا دوں گا...... اس طرح نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔"

حاتم طائی کی باتوں سے بزرگ کو بھی یہ گمان ہونے لگا تھا کہ شاید اس بار وہ کامیاب ہو ہی جائیں۔ انہوں نے کہا۔

"چلو تم کہتے ہو تو میں ایک بار پھر کوشش کر لیتا ہوں...... مگر چشمہ علاج کے بعد بند ہونا چاہئے...... کیونکہ یہ لوگ اس پانی کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ اگر پانی نہ ملا تو شاید مر ہی جائیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے ...... ایسا ہی ہو گا...... آپ اب جلدی سے علاج شروع کیجئے۔"

حاتم طائی نے پرجوش لہجے میں کہا

"علاج تو میں شروع کر دوں ...... مگر جن جڑی بوٹیوں کی مجھے ضرورت ہے وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔"

"کہاں سے ملیں گی وہ؟"

"انہیں لانے کے لئے کوہ قاف جانا پڑے گا۔" بزرگ نے کہا۔

"کوئی بات نہیں یہ تو میری دیکھی بھالی جگہ ہے۔ آپ مجھے ان بوٹیوں کا نام بتایئے۔ انشاء اللہ میں ضرور لے آؤں گا۔"

"اللہ تمہارا بھلا کرے ...... کہ تم ابھی تک دوسروں کے کام آتے ہو۔" بزرگ نے ایک

پرچی پر ان دوائیوں کے نام لکھ کر حاتم طائی کو دیئے اور بہت دعاؤں کے ساتھ رخصت کر دیا۔

حاتم طائی گھر سے نکلا اور دوبارہ دریا پار کر کے پہاڑی علاقے میں آیا۔ ایک سنسان جگہ پر بیٹھ کر اس نے اپنے ہاتھ سے وہ انگوٹھی پتھر پر رگڑی جو پچھلی بار ایک بزرگ نے اسے عطا کی تھی۔ انگوٹھی رگڑنے کی دیر تھی کہ ایک زور کی آندھی چلنے لگی۔ اس آندھی میں چھوٹے موٹے پتھر اِدھر اُدھر لڑھک گئے۔ تھوڑی دیر میں آندھی رکی تو ایک لحیم شحیم جن حاتم طائی کے سامنے موجود تھا۔

"کیا حکم ہے میرے آقا؟" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم! جن بھائی کیا حال ہیں..... بال بچے خیریت سے ہیں؟"

"ہاں میرے آقا..... آپ کام بتایئے میں ذرا جلدی میں ہوں۔"

"ارے تم بھی جلدی میں ہو!!! کیا تم بھی بیمار ہو؟" حاتم طائی نے حیرانی سے پوچھا۔

"نہیں میرے آقا..... میں بیمار نہیں..... خوف زدہ ہوں۔ انسانوں کی دنیا میں آتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ کیونکہ یہ ہر وقت جنگوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ فضا میں جہازوں اور زمین پر بموں کی بارش کسی وقت بھی ہو سکتی ہے اور ایسے ایسے بم جو منٹوں میں پوری دنیا کو جلا کر راکھ کر دیں۔ میرے آقا میں حرام موت نہیں مرنا چاہتا..... آپ جلدی سے کام بتایئے۔" جن نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھا! حیرت ہے..... انسان اتنا ظالم ہو گیا ہے کہیں اس کا دماغ تو نہیں چل گیا؟"

"نہیں میرے آقا دماغ تو زیادہ اچھا ہو گیا ہے۔ بس دل خراب ہو گیا ہے دل۔" جن نے کہا۔ "میرے آقا آپ جلدی سے کام بتایئے۔"

"ہاں بھائی! بات یہ ہے کہ دریا پار والی بستی کے سب لوگ بیمار ہیں۔ ان کے علاج کے لئے جو جڑی بوٹیاں چاہئیں وہ کوہ قاف سے ملیں گی۔ تم بس مجھے کوہ قاف تک پہنچا دو۔" جن نے حاتم کو آنکھیں بند کرنے کے لئے کہا اور پلک جھپکتے ہی وہ کوہ قاف کے ایک میدان میں موجود تھے۔ حاتم نے آنکھیں کھولیں، دیکھا، دور ایک پہاڑی پر ایک محل صاف نظر آ رہا تھا۔ اِدھر اُدھر نظر کی تو سب پہاڑ چھوٹے چھوٹے اور ٹوٹے پھوٹے نظر آئے۔ وہ جنگل بھی کہیں دکھائی نہیں دیا جو پچھلی دفعہ یہاں موجود تھا۔ ایک بار پھر حیران ہوا۔ جن سے پوچھا۔

"یہ کوہ قاف ہے؟"

"ہاں میرے آقا..... یہ وہی کوہ قاف ہے"

"مگر یہ سب پہاڑ چھوٹے کیسے ہو گئے؟"

"میرے آقا سب پتھر تو انسان لے گئے۔"

"کیوں؟"

"سیمنٹ بنانے کے لئے۔"

"سیمنٹ؟ ..... اور وہ جنگل ..... وہ درخت؟"

"اس کی ماچسیں بنالیں....."

"ماچس کیا ہوتی ہے؟"

"یہ آگ لگانے کے کام آتی ہے میرے آقا۔"

"خیر میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا..... تم یہ بتاؤ اب مجھے کرنا کیا ہے..... وہ جڑی بوٹیاں کہاں سے ملیں گی؟"

"وہ سامنے جو محل ہے اسی کے باغ میں وہ سب جڑی بوٹیاں موجود ہیں۔ لیکن وہاں تک پہنچنا بہت ہی مشکل ہے۔ محل تک جو راستہ جاتا ہے اس پر ایک اژدھے کا پہرہ ہے۔ جس کے منہ سے شعلے نکلتے ہیں اور سیکنڈوں میں آدمی کو جلا کر بھسم کر دیتے ہیں۔ اگر کسی طرح اس اژدھے سے بچ نکلا جائے تو محل کے دروازے پر تین آدم خور شیروں کا پہرہ ہے جو انسان کو دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور منٹوں میں اسے ہضم کر جاتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان شیروں سے بھی بچ نکلے اور محل کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جائے تو اندر چھ خوف ناک دیو اس باغ کا پہرہ دیتے ہیں جس کے بالکل درمیان میں وہ جڑی بوٹیاں موجود ہیں۔ ان دیوؤں سے بچنا تو کسی طرح ممکن ہی نہیں میرے آقا۔"

"خیر..... خیر..... یہ سب تو میں دیکھ لوں گا ..... لیکن میرے پاس تلوار تو ہے نہیں اور نہ ہی خنجر ہے۔"

"حاتم طائی نے جواں مردی سے کہا اور ساتھ ہی اپنی مجبوری بھی بتادی۔ اس کی بات سن کر جن بولا۔ "نو پرابلم میرے آقا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے ہوا میں ہاتھ لہرایا تو ایک کلاشنکوف اس کی مٹھی میں دبی نظر آئی۔

"یہ لیجئے میرے آقا۔"

"یہ کیا ہے؟"

"یہ کلاشنکوف ہے..... آج کل تلوار کی جگہ اس نے لے لی ہے۔"

"پھر جن نے حاتم طائی کو کلاشنکوف چلانا سکھائی اور محل کی طرف روانہ ہونے کے لئے کہا۔ حاتم نے پوچھا۔

"کیا تم محل میں داخل نہیں ہو سکتے؟"

"ہو سکتا ہوں میرے آقا..... لیکن میں نہیں جاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"وہاں جڑی بوٹیاں حاصل کرنے کے لئے مجھے دیوؤں سے لڑنا پڑے گا اور میں اپنے ہم قوموں سے نہیں لڑ سکتا۔ میرے آقا وہ مجھے انسان ہونے کا طعنہ دیں گے۔"

"اچھا اچھا! خیر تم اب جاؤ۔ جب مجھے ضرورت ہوگی تو میں تم کو بلالوں گا۔" حاتم طائی کی "انسانیت" جاگی تو اس نے جن کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔

حاتم طائی نے دور سے ہی اس اژدھے کو دیکھ لیا تھا جو اسے دیکھتے ہی اپنے منہ سے آگ کے شعلے برسانے لگا تھا۔ حاتم ابھی شعلوں کی پہنچ سے دور

تھا۔ اس نے وہیں سے نشانہ لیا اور کلاشنکوف کا ٹریگر دبا دیا۔ گولیوں کی ایک باڑ نکلی۔ اژدھے کے سر کے پرخچے اڑ گئے۔ تڑتڑ کی بھیانک آواز سے پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ محل کے دروازے پر پہرہ دینے والے شیر ادھر اُدھر بھاگ گئے۔ حاتم طائی دوڑتا ہوا گیا۔ لات مار کر دروازہ کھولا۔ کلاشنکوف کی نال کو سیدھا کئے ہوئے یوں اندر داخل ہوا جیسے ڈاکو بنک میں داخل ہوتے ہیں۔ دیوؤں نے اسے مسلح دیکھا تو فوراً ہینڈز اپ ہو کر ایک کونے میں لگ گئے۔ حاتم نے جلدی جلدی وہ جڑی بوٹیاں نوٹوں کی طرح اپنے تھیلے میں بھریں اور بھاگتا ہوا محل سے باہر نکل گیا۔ محل سے باہر آکر بھی وہ کافی دور تک بھاگتا رہا۔ آخر ایک جگہ رک کر اس نے انگوٹھی رگڑی۔ جن حاضر ہو گیا۔ کامیابی پر اسے مبارک باد دی۔ اور پھر اسے اسی بستی میں چھوڑ آیا۔

بستی کے بزرگ بابا بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے ایک ہفتے کی محنت اور حاتم طائی کی مدد سے اتنی دوائی تیار کر لی جو ساری بستی کے لوگوں کے لئے کافی تھی۔ بزرگ بابا نے ٹیلی ویژن پر اس دوائی کا اشتہار دیا اور جمعے کے دن مفت علاج کا اعلان کر دیا۔ جمعے کے دن پوری بستی کی بستی بابا کے مکان پر اُمڈ آئی۔ بابا نے سب کو دوائی دی اور نصیحت کی کہ آئندہ چشمے کا پانی نہ پینیں۔ بلکہ نلکوں کا پانی پیئیں۔ تاکہ دوبارہ بیمار نہ ہوں۔ سب لوگوں نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ چشمے کا پانی نہیں پینیں گے۔ بابا نے انہیں ایک ہفتے کا پرہیز بتایا۔ ایک ہفتے کے اندر ہی سب لوگ بھلے چنگے ہو گئے۔ بابا اور حاتم طائی بہت خوش تھے کہ انہوں نے انسانوں کو بیماری سے نجات دلا کر بہت بڑی نیکی کی ہے۔

پھر دونوں نے ایک منصوبہ بنایا کہ کل حاتم اپنے دوست جنوں کی مدد سے اس چشمے کو بند کر دے گا جس کا پانی پی کر لوگ بیمار ہوتے ہیں۔

اگلے دن وہ اپنے مشن پر روانہ ہوئے لیکن وہ جیسے ہی گھر سے باہر نکلے تو ایک عجیب و غریب صورت حال ان کے سامنے تھی۔ دن رات بارونق رہنے والے شہر میں اس وقت ہُو کا عالم تھا۔ جیسے یہاں دیو پھر گیا ہو۔ سڑکیں سنسان۔ دکانیں بند۔ بالکل کرفیو جیسا سماں تھا۔ کسی انسان کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ یہ بہت حیران ہوئے۔ ایک سڑک پر آئے۔ دیکھا ایک بچہ ایک بند دکان کے سامنے کھیل رہا ہے۔ پوچھا۔

"بیٹا یہ سب لوگ کہاں چلے گئے۔"

"چشمے پر گئے ہیں پانی لینے۔" چھوٹے بچے نے جواب دیا۔ دونوں دھک سے رہ گئے۔ آخر حاتم کو ہوش آیا۔ کہا،

"واقعی جو قوم خود تباہ ہونا چاہے، دنیا کی کوئی طاقت اس کی علاج نہیں کر سکتی۔"

بزرگ کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے اپنا دکھ چھپانے کی کوشش کی تھی۔ مگر آنکھوں سے بہہ نکلنے والے اشکوں کے سیلاب کو نہ روک سکے۔

آنکھ مچولی البم

ہیں کیا انکل سام بھی سنکی ؟ تھیلے میں جو لائے ڈنکی

سوال یہ ہے

ایاز محمود

سائنسی معلومات کا کالم

سوال: کرکٹ میں بیٹسمین کے سامنے اسکرین کا کیا کام ہوتا ہے؟

عبدالقدیر انڈھڑ، پنوعاقل۔

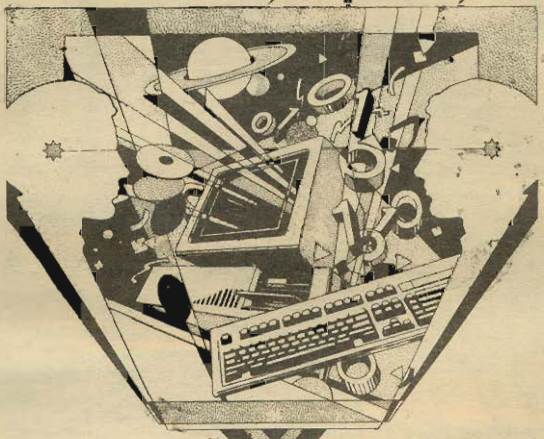

جواب: بیٹسمین کے سامنے لگے ہوئے سفید پردے کو سائٹ اسکرین کہتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بیٹنگ کرنے والے کھلاڑی کو گیند درست طریقے سے نظر آ سکے۔ آپ نے تیز گیند پھینکنے والے کھلاڑیوں کو دیکھا ہوگا۔ یہ دور سے دوڑ کر آتے ہیں اور تیزی سے بازو گھما کر وہ زنانٹے دار گیند پھینکتے ہیں کہ بعض اوقات گیند کی رفتار سو میل فی گھنٹہ سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ ایسی گیندوں کو کھیلنے کے لئے ضروری ہے کہ بلے باز گیند پر آخر وقت تک نگاہ جمائے رکھے۔ سرخ گیند کے مقابلے میں سفید اسکرین قطعی طور پر میل نہیں کھاتا۔ لہٰذا کھلاڑی کو گیند صاف نظر آ جاتی ہے۔ اگر سفید گیند سے کھیل ہو رہا ہے تو بالکل اس کا الٹ یعنی سیاہ رنگ کا اسکرین لگایا جاتا ہے تاکہ گیند بالکل واضح فرق سے نظر آ سکے۔ اگر سائٹ اسکرین نہ ہو تو عین ممکن ہے کہ پس منظر میں موجود درختوں یا تماشائیوں کے کپڑوں کے رنگوں کے مقابلے میں گیند صاف نظر نہ آ سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ گیند کو کھیلتے وقت بلّا باز کی

تمام تر توجہ باولر کے ہاتھ سے نکلنے والی گیند پر لگی ہوتی ہے۔ اسی لئے اگر باولر کے ہاتھ کے عین پیچھے کوئی حرکت ہو تو اس سے بلّے باز کا دھیان بٹ جاتا ہے۔

سوال:۔ چھوئی موئی کے پودے کو ہاتھ لگانے سے ٹہنیاں اور پتّے کیوں بند ہو جاتے ہیں؟

غضنفر رشید۔ چکوال

جواب:۔ بعض پودے حسّاس ہوتے ہیں۔ چھوئی موئی کا پودا بھی ان میں شامل ہے۔ پودے کو چھونے پر اس کی پتیاں آپس میں مل کر بند ہو جاتی ہیں۔ اس کی بناوٹ کچھ یوں ہے کہ ایک لمبی سے ڈنڈی پر دو پتے ہوتے ہیں اور ہر پتا چھوٹی چھوٹی آٹھ دس پتیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پودے کو جب تک چھوئے جانے کا احساس رہتا ہے۔ پتیاں بند رہتی ہیں اور بعد میں آہستہ آہستہ کھلتی ہیں۔ یہ ایک خود کار عمل ہے۔

چھوئی موئی کے پودے کا سائنسی نام مائی موسا پوڈیکا (MIMOSA PUDICA) ہے۔

سوال:۔ جب کشش ثقل ہر شے پر اثر انداز ہوتی ہے تو انسان گر کیوں نہیں جاتا؟

عظمیٰ عبدالرحمٰن۔ حیدر آباد

جواب:۔ کشش ثقل، جسے بہتر طور پر تجاذب کہتے ہیں، دو جسموں کے درمیان کشش کی قوت کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا تمام انسان، حیوانات، درخت اور دیگر اشیا اپنے اندر مقناطیسی قوت رکھتی ہیں۔ لیکن یہ قوت اتنی معمولی ہوتی ہے کہ محسوس نہیں ہوتی۔ اگر کہیں یہ زیادہ ہوتی تو سب اشیا آپس میں چپک کر رہ جاتیں۔ ہماری زمین اور دیگر سیارے بھی تجاذب کی قوت رکھتے ہیں۔ اگر یہ قوت نہ ہوتی تو نہ ہوا ہوتی نہ پانی۔ لہٰذا زندگی ہی نہیں ہوتی۔ اسی لئے ہمارا نظام شمسی، زمین اور اس پر پائی جانے والی زندگی تجاذب کی مرہونِ منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہر لحاظ سے ایک موزوں سیارہ بنایا ہے۔ یہاں تجاذب نہ تو اتنی زیادہ ہے کہ قدم اٹھانا مشکل ہو جائے اور نہ ہی اتنی کم ہے کہ چاند کی طرح یہاں فضا کا وجود ہی ختم ہو جائے۔

آپ نے پوچھا ہے کہ انسان گر کیوں نہیں جاتا؟ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بچہ جب شروع شروع میں چلنا شروع کرتا ہے تو بار بار گرتا ہے لیکن کچھ ہی دنوں میں توازن برقرار رکھنا سیکھ کر دوڑنے بھاگنے لگتا ہے۔ یہی صورت حال اس وقت پیش آتی ہے جب ہم سائیکل چلانا سیکھتے ہیں۔ انسانی جسم میں توازن قائم رکھنے کے لئے باقاعدہ نظام موجود ہے۔ اس کے بارے میں پھر کبھی تفصیل سے لکھیں گے۔

سوال:۔ آسمانی بجلی کیا ہے؟ اس کے گرنے کا فائدہ ہے یا نقصان؟

ثمر غضنفر علی قادری، لاڑکانہ

جواب:۔ آسمانی بجلی اور عام بجلی دراصل ایک ہی چیز ہے۔ ۱۷۵۲ میں مشہور سائنس دان بنجمن فرینکلن نے اس بات کو ثابت کیا۔ ان حضرت

نے ایک پتنگ اڑائی جس کے اوپری سرے پر تار کا ایک ٹکڑا لگا ہوا تھا اور نچلے سرے پر ایک چابی بندھی ہوئی تھی۔ یکایک تار اور چابی کے درمیان ایک جھماکا سا ہوا اور ایک شعلہ سا کوند گیا۔

برق و باراں کا طوفان عام طور تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اگر بجلی خدانخواستہ کسی عمارت وغیرہ پر گر پڑے تو اس سے جانی اور مالی نقصان کا خدشہ ہوتا ہے۔ بعض عمارتوں کو خاص طور پر آسمانی بجلی سے محفوظ بنایا جاتا ہے۔ اس کے لئے عمارت کی چھت پر ایک دھاتی سلاخ لگائی جاتی ہے جس کو تانبے کے تار کے ذریعے زمین سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ بجلی گرنے کی صورت میں بجلی سلاخ کے ذریعے تار سے ہوتی ہوئی زمین میں چلی جاتی ہے اور عمارت کسی بڑے نقصان سے بچ جاتی ہے۔ جن عمارتوں میں یہ انتظام نہیں ہوتا وہاں بھی بجلی لوہے کے پائپوں اور بجلی کے تاروں وغیرہ کے ذریعے زمین میں چلی جاتی ہے۔

آسمانی بجلی بادلوں میں منفی اور مثبت بار کی موجودگی میں برقی میدان کے پیدا ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ بادلوں کا اوپری حصہ مثبت بار دار ہوتا ہے اور نچلا حصہ منفی بار دار۔ برقی طوفان آنے کی صورت میں زمین کے ارد گرد کی فضا مثبت بار دار ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ل کے نچلے حصے میں منفی بار کی شدت بھی بڑھتی ہے۔ جب یہ دونوں بار بہت زیادہ ہو جاتے تو بجلی ہوا میں گزر جاتی ہے ۔ دوسرے الفاظ میں بادل اور زمین کے درمیان ایک راستہ سا بن جاتا ہے۔

طوفانِ برق و باراں میں پیدا ہونے والی برقی توانائی بے اندازہ قوت کی حامل ہوتی ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ بجلی کے ایک کڑکے میں اتنی توانائی ہوتی ہے کہ ایک سو واٹ کے بلب کو مسلسل تین مہینے تک روشن رکھا جا سکتا ہے۔

آپ نے بجلی کے گرنے کا فائدہ پوچھا ہے۔ بھائی اس کا فائدہ تو کوئی نہیں، نقصان کا ہی اندیشہ ہے۔ بجلی کے چمکنے سے البتہ فضا صاف ہوتی ہے اور تکسید کے عمل سے اوزون گیس پیدا ہوتی ہے جو آکسیجن کی ایک قسم ہے۔

گرج اور چمک کے دوران کسی درخت یا کھمبے کے نیچے کھڑا نہ ہوا جائے۔ ایسی حالت میں تیرنا بھی بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

گرگٹ

رنگ بدلنے والے مشہور جانور گرگٹ کی آنکھیں عام جانوروں کی طرح نہیں ہوتیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ایک پردہ سا ہوتا ہے جس میں ایک سوراخ ہوتا ہے اور وہ اس میں سے دیکھتا ہے آنکھیں آگے پیچھے موڑی جا سکتیں ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آنکھ آگے مڑی ہوتی ہے اور دوسری پیچھے یعنی یہ جانور بیک وقت آگے بھی اور پیچھے بھی دیکھ رہا ہوتا ہے ایسی نظر کو Monocular Vision کہتے ہیں۔

مرسلہ ..... یاسر بن نثار. راولپنڈی

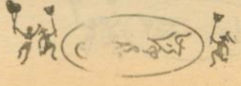

بچوّں کیلئے انمول تحفہ

ڈرامے، گیت، مزاحیہ خاکے، خبریں، معلوماتی پروگرام اور بہت بہت کچھ

فن کار: ظل سبحان، نگہت بٹ، قاسم جیبی، جمشید انصاری، لطیف منّا، نجیب اللہ انجم، شاہد اسماعیل اور بہت سے دوسرے۔
موسیقی: ارشد محمود، پروڈیوسر: ظفر محمود شیخ، ہدایات: سلیم مغل، اظہر نیاز!

ویڈیو میگزین

آنکھ مچولی

آج ہی طلب فرمایئے

Aankh Macholi Video Magazine
1 - PIB Colony Karachi

قیمت: 150 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سونے سے پہلے کی دعا

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰ

اے اللہ! میں تیرا نام لے کر مرتا اور جیتا ہوں۔

کھانے سے پہلے کی دعا

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ

میں نے اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت پر کھانا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیت الخلاء جاتے وقت کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں سے نر ہوں یا مادہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب سو کر اُٹھے تو یہ دُعا پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

اے اللہ! مجھے بہت توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں میں شامل کر دے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گھر سے نکلنے کی دعا

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گھر میں داخل ہونے کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ

بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اذان کے بعد کی دعا

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِىْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھانے کے بعد کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیت الخلاء کے بعد کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھ سے ایذا دینے والی چیز دور کی اور مجھے چین دیا۔

آئینہ دیکھنے کی دعاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِىْ فَحَسِّنْ خُلُقِىْ

سفر کی دُعا

سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

اللہ سے رابطہ دُعا کے ذریعے ممکن ہے یہ وہ پکار ہے جو اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔

منگوانے کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی
1- پی آئی بی کالونی کراچی 5

ادارے نے ایسی ہی مسنون دُعاؤں کو خوبصورت اور دیدہ زیب اسٹیکرز میں چھاپا ہے۔ ایک مکمل سیٹ کا ہدیہ ۲۵ روپے رکھا گیا ہے آنکھ مچولی کے پتے پر ۲۵ روپے کا منی آرڈر بھیج کر آپ یہ دُعاؤں کا سیٹ منگوا سکتے ہیں۔ (ادارہ)

قسط نمبر ۵

وہ کیا راز تھا؟

محمد عمر احمد خان

چیخ کی آواز نے جواد کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ اس کے چھوٹے بھائی کی چیخ تھی جو کالے رنگ کی ایک بدہیت مکڑی دیکھ کر ڈر گیا تھا اور اسے مارنے جا رہا تھا۔ جواد نے اسے روکا اور پھر بھائی کے ہاتھوں میں دستانے دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو گیا۔ اس خوف کا محرک وہ واقعہ تھا جو ایک سال پہلے دارالحکومت میں اس کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ٹرین میں اس کے ہم سفر پُراسرار شخصیت ثابت ہوئے جنھوں نے پہلے تو اپنی پُراسرار قوت سے اس کے ٹکٹ کا نمبر تبدیل کر دیا پھر انہوں نے اسے ایسے کھانے کِھلائے جو اس نے پہلے نہیں کھائے تھے۔ جواد نے کھانوں کی تعریف کی تو اس پُراسرار شخصیت نے مذاقاً کہا "کھانے پرستان کے ہیں۔"

پورے سفر کے دوران ان کی آنکھوں پر کالا چشمہ لگا رہا۔ ہاتھوں میں پہنے ہوئے دستانے بھی انہوں نے کسی بھی وقت نہیں اُتارے۔ اسٹیشن پر انہوں نے شیشے صاف کرنے کے لئے چشمہ اُتارا تو جواد نے ان کی آنکھیں دیکھ لیں جو پرندوں کی آنکھوں کی طرح گول اور پُراسرار تھیں۔ اسلام آباد میں ٹھہرنے کے لئے انہوں نے جواد کو "ہوٹل اسپا" کا کارڈ دیا جو بعد میں "اسپائڈر" نکلا۔

جواد نے ہوٹل فون کیا تو صرف پانچ منٹ کے مختصر وقت میں مختلف جانوروں کی تصویروں سے سجی آٹھ پیتوں

والی ایک عجیب و غریب گاڑی اسے لینے اسٹیشن پہنچ گئی۔ گاڑی کے ڈرائیور اور میزبان نے بھی آنکھوں پر کالا چشمہ لگایا ہوا تھا اور ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے تھے۔

اسلام آباد میں سخت سردی تھی۔ لیکن گاڑی کا ٹمپریچر سردی کو شکست دے رہا تھا۔ ہوٹل جواد کی توقعات سے زیادہ شاندار نکلا۔ جبکہ مرکزی دروازے پر بڑی سی مکڑی کا پورٹریٹ آویزاں تھا۔ ہوٹل کے منیجر نے چابی جواد کو دی تو نیچے گر پڑی۔ ملازم نے چابی اُٹھا کر جواد کی طرف بڑھائی ...، تو جواد حیران رہ گیا۔ ملازم کے ہاتھ میں آٹھ انگلیاں تھیں۔

ہوٹل کے پراسرار ماحول میں ہر جگہ آٹھ کا ہندسہ گردش کر رہا تھا۔ خوفزدہ ہو کر جواد نے ہوٹل چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن منیجر نے بتایا کہ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ ہوٹل کے کھانے بے حد لذیذ تھے۔ قہوہ پینے کے بعد جواد پر غنودگی طاری ہو گئی اور وہ سو گیا۔ رات بارہ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے کھڑکی کا شیشہ کھول کر باہر دیکھنا چاہا تو اندھیرے سے کوئی چیز اڑتی ہوئی آئی اور اس کے چہرے سے ٹکرا گئی۔ جواد ایک چیخ مار کر کمرے میں بچھے قالین پر گر گیا۔

کچھ ہی دیر بعد اس کے کمرے میں الو اور طوطوں جیسی صورت والے بھاری بھرکم ..... پرندے موجود تھے۔ جواد نے اس کمرے میں سونے سے اِنکار کر دیا۔ ملازم نے اسے دوسرے کمرے میں ٹھہرا دیا۔ جواد ملازم سے راز معلوم کرنا چاہتا تھا کہ فضا کِر کِر کی آوازوں سے لرزنے لگی۔ جواد نے آوازوں کی طرف نظر دوڑائی تو حیران رہ گیا اس کے بستر پر کالے رنگ کی بدہیت شکلوں والی سینکڑوں چھوٹی چھوٹی مکڑیاں رینگ رہی تھیں (اب آپ آگے پڑھیے)

کِر کِر کی آوازیں انہی مکڑیوں کے منہ سے نکل رہی تھیں۔ جیسے رات کی تاریکی میں جھینگر بولتا ہے اسی طرح وہ بول رہی تھیں۔ کیا بول رہی تھیں؟ جواد نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن ہوٹل کا ملازم سمجھ رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں ان چھوٹی چھوٹی بدہیت مکڑیوں کی بھیانک آوازیں گونج رہی تھیں اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بہت ساری بدروحیں گلے مل کر رو رہی ہوں۔

جواد کے لئے یہ منظر نہایت عجیب و غریب تھا۔ آج سے پہلے اس نے اتنی بڑی تعداد میں مکڑیوں کو ایک جگہ اکٹھا نہیں دیکھا تھا اور پھر پہلی دفعہ اس نے مکڑیوں کی آواز سُنی تھی جو جھینگروں کی آواز سے مشابہ تھی۔

ہوٹل کا ملازم چشمے کے پیچھے چھپی اپنی گول مگر پُراسرار آنکھوں سے بدہیت مکڑیوں کی طرف دیکھ رہا تھا جن کی آواز اب خاصی تیز ہو چکی تھی۔ "کھانا دو..... کھانا دو..... بھوک لگی ہے..... بھوک لگی ہے..... ہمیں بھوک لگی ہے.....!!!" ان کے منہ سے نکلنے والے جُملے ملازم سُن رہا تھا لیکن وہ انہیں کھانا نہیں دے سکتا تھا کیوں کہ ابھی اسے حکم نہیں تھا حالاں کہ ان مکڑیوں کا "کھانا" کمرے میں ہی موجود تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" جواد نے ملازم سے پوچھا۔ اس کا لہجہ خاصا خوفزدہ تھا۔ "یہ..... یہ اتنی ساری مکڑیاں کمرے میں کیسے آ گئیں؟"

"افوہ! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں نے آپ

کو غلط کمرے میں ٹھہرا دیا۔ اس کمرے میں سفید سفوف موجود ہے۔" ملازم نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا پھر وہ کمرے میں بنے اس ریک کی طرف دیکھنے لگا جہاں شیشے کے آٹھ چھوٹے مرتبان رکھے تھے اور ہر ایک میں سفید سفوف صاف نظر آرہا تھا۔

"یہ..... یہ سفید سفوف کیا چیز ہے؟" جواد نے مرتبانوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"رہنے دیں جناب..... ابھی تو آپ کو اس کمرے سے نکلنے کی فکر کرنی ہے۔" ملازم کا لہجہ خاصا فکر مند ہو گیا۔

"کک..... کک..... کیوں..... کیا ہم اس کمرے سے باہر نہیں نکل سکتے؟" جواد ملازم کو فکر مند دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ جب کہ ملازم پریشانی سے کبھی دیواروں کبھی کھڑکی تو کبھی دروازے کی درز پر نگاہیں دوڑانے لگا۔ پھر اس کی پریشانی کی وجہ جواد کی سمجھ میں آگئی کیوں کہ کمرہ دیکھتے ہی دیکھتے کالی کالی بدہیت مکڑیوں سے پٹ گیا تھا۔ دیواروں پر، دروازے پر، کھڑکیوں پر..... ہر جگہ سینکڑوں کی تعداد میں بدہیت مکڑیاں نظر آرہی تھیں۔ اتنی ساری مکڑیاں دیکھ کر جواد خوف سے چلا اٹھا۔

"اوہ میرے خدا.....!!!"

"اس سے پہلے کہ یہ جالا بُننا شروع کریں اور ہم اس پھنس جائیں..... کچھ کرنا ہوگا۔" ملازم خود سے بڑبڑایا۔ "تو پھر کچھ کرو..... نکلو اس کمرے سے۔" جواد نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی تو ملازم زور سے چلایا۔ "اپنی جگہ کھڑے رہیے۔" یہ سُن کر جواد کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے۔ وہ جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

"گھبرایئے نہیں مکڑیاں آپ کو کچھ نہیں کہیں گی۔ میں مرتبان اسٹور میں پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں۔" اتنا کہہ کر ملازم مکڑیوں کے ہجوم سے بچتا بچاتا اس ریک کی طرف پہنچ گیا۔ جہاں سفید سفوف کے مرتبان رکھے تھے۔ اس نے آہستگی سے دو مرتبان اُٹھائے اور پھر بڑی احتیاط سے چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ جواد نے محسوس کیا کہ جہاں جہاں سے وہ گزرا مکڑیوں نے راستہ چھوڑ دیا۔ جواد نے یہ بات بھی محسوس کی کہ جس جگہ وہ خود کھڑا تھا مکڑیاں اس طرف آنے سے کترا رہی تھیں..... نہ جانے کیوں؟

ملازم دروازے کے قریب پہنچا تو تمام مکڑیاں وہاں سے بھی ہٹ گئیں اور ملازم اطمینان سے دروزہ کھول کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اور پھر بڑی احتیاط سے دو مرتبان اور لے گیا اس طرح کچھ ہی دیر بعد کمرہ سفید سفوف کے مرتبانوں سے خالی ہو گیا۔ ملازم نے بڑی احتیاط سے آٹھ کے آٹھ مرتبان اسٹور میں پہنچا دیئے تھے۔

جیسے ہی کمرے سے مرتبان ہٹے، مکڑیاں بھی کمرے سے باہر جانے لگیں۔ جواد حیرت اور خوف سے مکڑیوں کو قطار کی صورت کمرے سے باہر جاتا دیکھ رہا تھا۔

"کک..... کک..... کیا یہ اسٹور میں جا رہی

ہیں؟"

"نہیں!" ملازم نے کہا۔ "یہ اسٹور میں نہیں جا سکتیں۔ یہ کھانے کے کمرے میں جا رہی ہیں کیوں کہ یہ بھوکی ہیں۔"

"کیا ان کا بھی کھانے کا کمرہ ہے؟" جواد نے حیرت سے پوچھا۔

"کھانے کا بھی اور گانے کا بھی۔" ملازم نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"کک ...... کک ...... کیا ...... یہ مکڑیاں گانا بھی گاتی ہیں؟"

"ہاں ...... اور ان کو ڈسکو ناچ بھی آتا ہے۔"

"ڈڈ ...... ڈڈ ...... ڈسکو ناچ؟" جواد ہکلا کر رہ گیا تو ملازم نے مُسکراتے ہوئے کہا "اب آپ آرام کریں میں مکڑیوں کو کھانا کِھلا کر آتا ہوں۔ ڈر تو نہیں لگ رہا ناں آپ کو؟" جاتے جاتے ملازم نے پوچھا تو جواد ہکلاتے ہوئے بولا۔

"ڈڈ ...... ڈڈ ...... ڈر ...... نن نن ...... نن نن ...... نہیں تو ......!!" یہ دیکھ کر ملازم مُسکرایا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ تمام مکڑیاں پہلے ہی کمرے سے باہر جا چکی تھیں۔

"اُف میرے خدا!" جواد پریشانی کے عالم میں بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بستر پر گر گیا۔ ہوٹل میں پیش آنے والے پُراسرار واقعات اس کے دماغ کی چولیں ہلا رہے تھے۔ وہ بستر پر بیٹھ گیا سر پکڑ کر سوچنے لگا "سفید سفوف کیا چیز ہے؟ مکڑیاں سفید سفوف کی وجہ سے کمرے میں کیوں آئیں؟ ملازم سفید سفوف کے مرتبانوں کو اتنی احتیاط سے کیوں لے گیا تھا؟ مجھے یہ مرتبان پہلے کیوں نظر نہیں آئے؟" بہت سارے سوالات جواد کے ذہن میں گردش کرنے لگے۔ پھر اچانک ہی وہ بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر ننگے پیر چلتا ہوا دروازہ کھول کر بڑی آہستگی سے راہداری میں نکل آیا۔ راہداری میں خواب ناک ماحول تھا پھر جانوروں کی صورت والے بلبوں کی مدھم روشنی نے ماحول کو مزید پُراسرار بنا دیا تھا۔

جواد کو اسٹور کی تلاش تھی۔ وہ راہداری میں کچھ ہی دور چلا ہو گا کہ ایک کمرے کے سامنے ٹھٹھک کر رہ گیا۔ کمرے کا دروازہ آدھا کُھلا ہوا تھا اور اس سے کِر کِر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ "ضرور یہ مکڑیوں کے کھانے کا کمرہ ہے!!"

جواد نے بڑی آہستگی سے دروازے کے ادھ کُھلے پٹ سے اندر جھا نکا اور پھر خوف کی ایک سرد لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس نے دیکھا۔ ملازم کے ہاتھ میں اُلّو اور طوطوں جیسی شکل والے مُردہ پرندے موجود تھے جنہیں وہ کاٹ کاٹ کر نیچے فرش پر پھینک رہا تھا اور سینکڑوں مکڑیاں پرندوں کا گوشت کھا رہی تھیں۔

جواد گھبرا کہ واپس پلٹنا ہی چاہتا تھا کہ ملازم نے آواز لگائی۔ "جواد صاحب! اندر آ جائیے ...... میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے۔"

جواد شش و پنج کی کیفیت میں دروازے کے باہر کھڑا تھا "ملازم کی پیٹھ میری ہی جانب پھر اس نے مجھے کیسے دیکھ لیا ؟" جواد سوچ ہی رہا تھا کہ ملازم کی آواز دوبارہ سُنائی دی۔ "اندر آجایئے..... مکڑیاں آپ کو نہیں کھائیں گی۔"

خوفزدہ حالت میں جواد کمرے میں داخل ہوا تو مکڑیاں اس کے لئے راستہ چھوڑنے لگیں۔ "یہ بڑی خونی مکڑیاں ہیں۔ گوشت کے سوا کچھ نہیں کھاتیں۔" ملازم نے بڑے پُر اسرار لہجے میں جواد سے کہا جو کمرے میں داخل ہو کر اب ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا اور بڑے سہمے ہوئے انداز میں یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ بھوکی مکڑیاں پرندوں کے مُردہ جسموں سے چمٹی ہوئی تھیں اور بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر ان کا گوشت کھا رہی تھیں۔ "ان کا بس چلے تو یہ ہمیں بھی کھا جائیں..... لیکن فی الحال یہ ہمیں کھا نہیں سکتیں۔" ملازم نے ہاتھ میں پکڑا ہوا آخری پرندہ بھی کاٹ کر مکڑیوں کی طرف پھینک دیا۔ "وہ کیوں؟" جواد کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "ابھی بتاتا ہوں۔" اتنا کہہ کر ملازم نے کپڑے سے ہاتھ پونچھے اور پھر خوفزدہ جواد کا ہاتھ تھام لیا پھر مکڑیوں کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ ملازم کے ہاتھوں میں اس وقت دستانے نہیں تھے اور اس کی آٹھ انگلیوں کی گرفت میں جواد کا ہاتھ تھا۔ باہر آکر اس نے مکڑیوں کے کمرے کا دروازہ..... لاک کر دیا۔

اس وقت وہ راہداری میں کھڑے تھے۔ "آپ کے ہاتھ میں جو انگوٹھی ہے وہ چاندی کی ہے اور میرے ہاتھ کی انگوٹھی بھی چاندی سے بنی ہے۔" ملازم نے اپنا بایاں ہاتھ جواد کے سامنے لہرایا تو جواد نے دیکھا اس کے ہاتھ کی سب سے چھوٹی اور آٹھویں انگلی میں بھی چاندی کی انگوٹھی تھی۔ ملازم کہنے لگا۔ "چاندی کی دھات سے جو شعاعیں نکلتی ہیں وہ ان مکڑیوں کے لئے "سمِ قاتل" ہیں ان شعاعوں سے یہ مکڑیاں دور بھاگتی ہیں..... اگر ہمارے پاس چاندی کی انگوٹھیاں نہ ہوں تو یہ مکڑیاں منٹوں میں ہمیں بھی چٹ کر جائیں.....!!" اتنا کہہ کر ملازم نے ایک زور دار قہقہہ لگایا تو جواد کو اپنے بدن میں جھرجھری سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ پھر ملازم جواد کو اس کے کمرے میں پہنچانے کی بجائے ایک دوسری راہداری

اڑن لومڑی

اڑن لومڑی حقیقت میں چمگادڑ کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے مگر کیونکہ جسامت میں بڑی ہے اور اس کی تھوتھنی لومڑی سے مشابہ ہوتی ہے اس لئے اسے اڑنے والی لومڑی کہتے ہیں۔ یہ ہندوستان کے علاوہ سری لنکا، آسٹریلیا اور برما میں پائی جاتی ہے اور ہر جگہ اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ شمالی ہندوستان والے اسے بادونی اور جنوب والے کھرل کہتے ہیں اس کی لمبائی ۱۴ انچ اور بازو کی جھالر ایک سے لے کر دوسرے سرے تک ۴ فٹ ہے۔

مرسلہ..... یاسر بن نثار، راولپنڈی

کی طرف مُڑنے لگا تو جواد نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"تت ...... تت ...... تم ...... مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" "اسٹور میں ...... جہاں سفید سفوف کے مرتبان رکھے ہیں۔" ملازم نے آنکھوں سے سیاہ چشمہ اُتار کر کہا تو جواد کی ٹانگیں خوف سے لرزنے لگیں۔ اس کی آنکھیں انہی پرندوں کی طرح تھیں جنھیں کچھ دیر پہلے وہ خود اپنے ہاتھوں سے کاٹ کاٹ کر مکڑیوں کو کھلا چکا تھا۔

"آپ سفید سفوف کے متعلق جاننا چاہتے ہیں ناں؟"

"نن ...... نن ...... نہیں تو۔"

"دیکھیں جھوٹ نہیں بولیں۔ ہمارے پاس دوسری آنکھ موجود ہے جو بندے کی سوچ تک کا پتہ چلا لیتی ہے۔" اس کے اس جملے پر تو جواد ڈھیر ہی ہو کر رہ گیا۔

ملازم نے آنکھوں پر سے کالا چشمہ اُتار دیا تھا جواد اس کی آٹھ انگلیاں تھامے کسی لاش کی طرح چل رہا تھا یا اپنے آپ کو گھسیٹ رہا تھا۔

جواد کو نہیں معلوم کب وہ ایک شیشے کے کمرے میں پہنچے جو سفید سفوف کے مرتبانوں سے بھرا پڑا تھا۔ کمرے میں ہر جگہ ریک بنے تھے جن میں آٹھ آٹھ کی قطاروں میں مرتبان سجے تھے۔ ملازم نے سب سے پہلے تو اپنے ہاتھ سے چاندی کی انگوٹھی اُتاری پھر کمرے میں لگے واش بیسن سے اپنے ہاتھ دھونے لگا جب ہاتھ دُھل گئے تو ہاتھوں کو تولیے سے پونچھتے ہوئے بولا۔

"یہ سفید سفوف دیکھ رہے ہیں ناں آپ؟"

"ہاں!" جواد کو اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔ وہ اپنے خوف پر قابو پانے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھا۔

"اس سفید سفوف کو مختلف جڑی بوٹیوں سے بنایا گیا ہے اِس میں سفید چمڑی والے انسانوں کا خون بھی شامل ہے۔ اس کی تاثیر یہ ہے کہ اس کے کھانے سے جسم کئی گُنا بڑا ہو جاتا ہے اور مکڑیاں اس سفید سفوف کی دیوانی ہیں کیوں کہ اس میں انسانی خون شامل ہے جو مکڑیوں کی غذا ہے!" مُسکراتے ہوئے بڑے پُر اسرار انداز میں ملازم نے بتایا تو جواد خوف سے گردن ہلا کر ہی رہ گیا۔

"ارے یہ کیا؟" ملازم اچانک ہی اُچھل پڑا شیشے کے کمرے میں ایک سفید رنگ کا موٹا تازہ چوہا گُھس آیا تھا۔ جواد بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ چوہے کی آٹھ ٹانگیں تھیں اور وہ کسی گاڑی کی طرح کمرے میں اِدھر سے اُدھر دوڑ رہا تھا۔ کبھی رُک کر وہ بڑی بے چینی سے اپنی دُم کُترنے لگتا تھا۔

"ارے اس کی دُم میں تو خونی مکڑیاں چمٹی ہیں۔" ملازم نے چوہے کو اپنے ہاتھوں میں اُٹھا لیا جو اب ادھ موا نظر آرہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں سے چوہے کی دُم سے مکڑیاں نکالنے کی کوشش کی تو بُری طرح چِلّا اُٹھا۔ مکڑیاں چوہے کی دُم چھوڑ کر اب اس کی اُنگلیوں سے چمٹ گئی تھیں۔ "افوہ میں بھول ہی گیا کہ میری انگوٹھی میرے ہاتھ میں

نہیں۔"

"پلیز! میری انگوٹھی تو بیسن واش سے اُٹھانا۔" ملازم تکلیف سے فرش پر گر پڑا تھا۔

جواد اس کی انگوٹھی اٹھانے بڑھا تو ریک سے ٹکرا گیا اور اس کی ٹکر سے شیشے کا ایک مرتبان فرش پر گرا اور چکنا چور ہو گیا۔ سفید سفوف کمرے میں بکھر گیا تھا۔ سفید سفوف کی خوشبو محسوس کرتے ہی مکڑیاں ملازم کو چھوڑ کر سفید سفوف چاٹنے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کا جسم تیزی سے بڑھنے لگا اور پھر اس سے پہلے کہ ملازم واش بیسن سے اپنی چاندی کی انگوٹھی اُٹھاتا، بھیانک شکلوں اور بڑے جسم والی ...... مکڑیاں ملازم کی طرف بڑھیں اور پھر کمرہ ملازم کی بھیانک چیخوں سے لرزنے لگا۔ ملازم ان کی پچھپچیوں جیسی ٹانگوں میں دبا چیخ رہا تھا جواد نے خوف و دہشت کے عالم میں اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔ بڑے بڑے بھیانک سروں والی مکڑیاں ملازم سے چمٹی پڑی تھیں ایک بڑی مکڑی نے اس کا سر الگ کر دیا تھا۔ جبکہ دو مکڑیاں اس کے بازو اور .... ٹانگیں کھینچ رہی تھیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے خونی مکڑیوں نے ملازم کے دونوں بازو اور دونوں ٹانگیں بھی جسم سے علیحدہ کر دیئے۔

پورا کمرہ ملازم کی بھیانک چیخوں سے گونج رہا تھا جب کہ مکڑیاں ان چیخوں سے بے نیاز ملازم کا دھڑ بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر کھا رہی تھی ......!!!

جاری ہے ...... اس پُراسرار کہانی کے مزید سنسنی خیز اور دلچسپ واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے!!

بچوں کے مشہور و معروف مصنف
اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور ناول

۵۷۴۔ کیسی وارداتیں ــــ انسپکٹر جمشید سیریز ــــ ۱۰ روپے
۵۷۵۔ چوریاں ــــ " ــــ ۱۰
۵۷۶۔ سرجال کی روح ــــ " ــــ ۱۰
۵۷۷۔ قاتل ــــ " ــــ ۱۰
۴۱۔ مشینی مخلوق ــــ " ــــ ۱۰
۴۲۔ زلزلے کا فرار ــــ " ــــ ۱۰
۴۴۔ خوف زدہ آدمی ــــ " ــــ ۱۰
۴۵۔ نقلی چہرہ ــــ " ــــ ۱۰
۱۶۔ گڑیا کا چکر ــــ انسپکٹر کامران مرزا سیریز ــــ ۱۰
۱۷۔ بلا عنوان ــــ شوکی سیریز ــــ ۱۰

۲۰/مئی ۱۹۹۴ء
کو آپ کے شہر میں ہر بڑے بکسٹال پر دستیاب
یا
پھر براہِ راست خط لکھ کر ادارے سے بذریعہ وی پی منگوائیں

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد، مسلم پورہ، ساندہ کلاں
لاہور، ــــ فون ۷۲۴۶۳۵۶

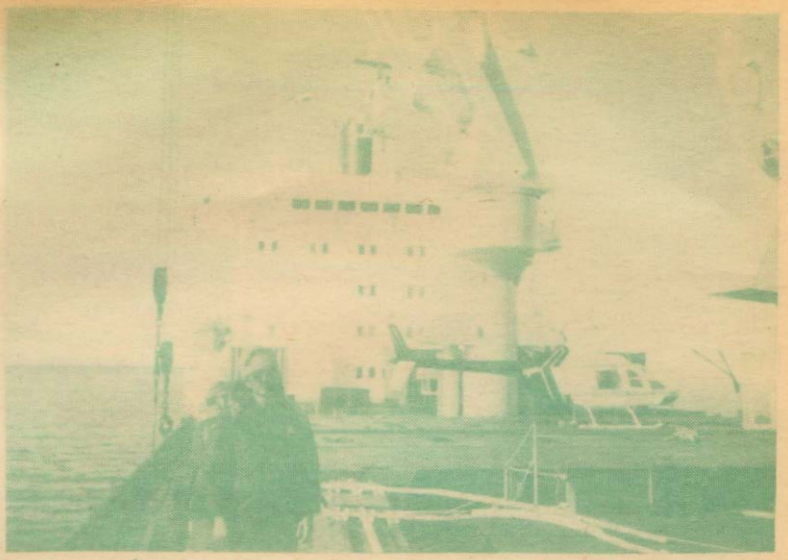

اصغر جمال کی جہاز کولمبیا لینڈ کے عرشہ پر لی گئی ایک تصویر۔

سفرنامہ

پُراسرار براعظم انٹارکٹیکا میں آٹھ دن

تحریر ــــ سیّد اصغر جمال
ترتیب و تلخیص ـ سہیل احمد صدیقی

دنیا کے غیر آباد اور تاریک برِاعظم انٹارکٹیکا میں کیا ہے؟
وہاں تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟ سید اصغر جمال کا یہ سفرنامہ ان ہی سوالوں کا جواب ہے۔ وہ پاکستان کی اس پہلی مہم جُو جماعت کے رکن تھے جو ۱۹۹۱ء میں انٹارکٹیکا پہنچی۔ سید اصغر جمال نے کراچی یونیورسٹی سے مائیکرو بیالوجی میں ایم ایس سی کیا اور ان دنوں سوئیڈن میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ انہوں نے انٹارکٹیکا کے سفر کی دلچسپ رُوداد آنکھ مچولی کے لئے خاص طور پر لکھی ہے جسے ہم ان کے شکریے کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

۱۲ دسمبر ۱۹۹۰ء

میں اب تک حیران ہوں۔ دنیا کے سرد ترین خطّے انٹار کٹیکا میں جانے والی پہلی پاکستانی مہم جُو جماعت میں مجھے کس طرح شامل کر لیا گیا اور وہ بھی بغیر کسی سفارش کے۔ یقیناً یہ میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں۔ پہلے میرا طبّی معائنہ ہوا، پھر سمندر کے کنارے اور شمالی پہاڑی علاقوں میں تربیت دی گئی تاکہ انٹار کٹیکا کی مصیبتوں کو میں آسانی سے جھیل سکوں۔

آج صبح ۹ بجے میں بحری جہاز ایم وی کولمبیا لینڈ پر سوار ہوا۔ طبیعت کچھ عجیب بوجھل سی تھی۔ جانے کی خوشی بھی تھی، شہر، ملک اور اپنے عزیزوں کو چھوڑنے کا غم بھی تھا۔ پھر میں نے خود کو تسلی دی کہ یہ جدائی عارضی ہے۔ ہم ایک عظیم مقصد کے لئے، اپنے وطن کا پرچم بلند کرنے کے لئے اس سفر پر روانہ ہو رہے ہیں۔ جہاز پر شام ہوئی تو سب لوگ کمرہ ملاقات میں جمع ہوئے اور ٹیلی وژن دیکھنے لگے۔ خبروں میں ہمارے جہاز کی روانگی کے متعلق کافی کچھ کہا گیا۔ دل کو اطمینان ہوا، چلو ہم نہ صحیح، ہماری تصویر ہی گھر والوں کے سامنے ہوگی۔

ساڑھے سات بجے کھانا لگایا گیا، سنا کہ اس سفر میں فی کس چودہ ڈالر کھانے کا خرچہ ہو گا، کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ یہ پیسے ہمیں مل جاتے۔ ہم اس سے بھی اچھا کھانا تیار کر لیتے اور پیسے بھی بچا لیتے۔ خیر...... ساڑھے گیارہ بج چکے ہیں کل سویرے جاگنا ہے اور شام کو پارٹی کے مزے بھی لوٹنے ہیں۔

۱۳ دسمبر

آج صبح پانچ بج کر بیس منٹ پر میرے دوست تبریز نے دروازے پر دستک دی۔ جلدی جلدی کپڑے بدل کر نیچے تفریح گاہ میں پہنچے۔ وہاں جہاز کا عملہ ہم سے پہلے موجود تھا۔ سب روشنی کی ملکہ لوسیا کے منتظر تھے کچھ دیر گزری، روشنی کی ملکہ لوسیا نمودار ہوئی۔ اس نے سر پر روشنی کا تاج پہنا ہوا تھا، جس میں چار شمعیں جل رہی تھیں۔ کمرہ بھی شمعوں کی روشنی سے جگ مگا رہا تھا۔ لوسیا کے ساتھ دو لڑکیاں اور بھی تھیں جو شمعیں لئے اور مخروطی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھیں ان کے ہمراہ دو لڑکے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں طلسمی چھڑیاں تھیں۔ چھڑیوں پر ستارے بنے ہوئے تھے اور وہ لباس سے پادری نظر آتے تھے۔ اصل میں اس تقریب کا مقصد کرسمس کا خیر مقدم کرنا ہوتا ہے۔ ڈنر کے بعد ہم نشست گاہ میں کپتان اور عملے کے ارکان سے میٹنگ کرنے چلے گئے۔ کپتان نے ہمیں ہر قسم کے ہنگامی حالات سے نمٹنے کی احتیاطی تدابیر سے آگاہ کیا۔

۱۴ دسمبر

آج معمول کی مصروفیت میں وقت گزارا۔ کوئی بات لائقِ تحریر معلوم نہیں ہوئی۔

۱۷ دسمبر

آج صبح سویرے ہمارے جرمن مشیر برونی نے ہمیں انٹار کٹیکا کی تاریخ کے متعلق ایک لیکچر دیا۔ کافی دلچسپ لیکچر تھا۔ دن کے تقریباً ڈیڑھ بجے ہم نے

خطِ استوا عبور کیا اور مزے سے شاہ نیپچون کی سلطنت میں داخل ہو گئے۔ شام کو خطِ استوا عبور کرنے کی خوشی میں ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں جہاز کے عملے کا ایک رکن، شاہ نیپچون بنا اور ایک خاتون اس کی ملکہ بنی، پھر باری باری تمام ارکان پر مختلف قسم کے الزامات عائد کیے گئے، عموماً سب پر یہی الزام عائد کیا گیا تھا کہ بغیر اجازت شاہ نیپچون کی سلطنت میں داخل ہوئے ہیں۔ سزا میں اکثر افراد کو ایک بدمزہ شربت چکھنا پڑا۔ مجھ پر بھی یہی الزام لگایا گیا، پھر دوسرا الزام یہ تھا کہ میں خود کو مائیکرو بیالوجسٹ کہتا ہوں، جب کہ حقیقت میں سرکس کا ملازم ہوں۔ مجھے حکم ملا کہ سزا سے بچنا ہے تو شاہ اور ملکہ کے چرنوں کو چھو لوں، میں نے اس بے ہودہ حرکت کی بجائے سزا بھگتنا پسند کیا۔

ایک روز پہلے نیوی پائلٹ لیفٹیننٹ ہارون کیانی مجھ سے میرے سائنسی پروگرام کے متعلق گفتگو کرتے کرتے یک دم پٹڑی سے اتر گئے۔ کہنے لگے۔ "چھوڑو یار! لالوکھیت میں ایک بیلچہ مارتے، ساری دنیا کے جراثیم وہیں مل جاتے۔"

۱۸ دسمبر

آج کموڈور وسیم نے سمندر میں بقائے حیات کے موضوع پر لیکچر دیا، جو میں نے ڈائری میں نوٹ کر لیا، معمول کی دوسری مصروفیات جاری رہیں۔ شام کو ہم سب نے انٹارکٹیکا میں سردی سے بچاؤ کا سامان اور مخصوص لباس وصول کیا۔ پھر میں حسب معمول سوئمنگ پول گیا، اب میں نے کچھ کچھ پیراکی سیکھ لی تھی۔

۱۹ دسمبر

آج کرنل اکرم نے نہایت دل نشین انداز میں لیکچر دیا۔ انھوں نے ہمیں برف کے شگافوں کے بارے میں بتایا۔

۲۰ دسمبر

آج ہم افریقہ کے جزائر ماریشس کے قریب پہنچ گئے، برونی نے اس ملک کے بارے میں ایک لیکچر دیا۔

۲۱ دسمبر ۱۹۹۰ء

ابتدا میں ہمیں معلوم ہوا کہ ہم ماریشس پر لنگر انداز نہیں ہو سکتے، مگر پھر ہمیں جہاز سے اترنے کی اجازت مل گئی۔ ہمیں ہدایت کی گئی کہ ٹولیوں کی شکل میں جزیرے میں سیر کریں اور کسی کو اپنے مشن کے بارے میں نہ بتائیں۔ نہ ہی کسی جھگڑے میں ملوث ہوں۔ یہاں کی ۵۱ فیصد آبادی ہندو، ۳۰ فیصد عیسائی اور ۱۶ فیصد آبادی مسلمان ہے۔ ہم شام کے وقت جزیرے میں داخل ہوئے۔ چیکنگ یا پاسپورٹ میں اندراج وغیرہ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ بس میں سفر کرتے ہوئے ایک دلچسپ بات ہوئی۔ ایک شخص میرے برابر بیٹھا ہوا تھا میں نے اس سے اپنا تعارف کرایا تو اس نے کہا السلام علیکم۔ پھر تو وہ ایسا شروع ہوا کہ رکنے کا نام نہیں لیا مجھے اس کی تقریر سننے میں بے حد دشواری ہوئی، کیونکہ وہ فرانسیسی، انگریزی میں ملا کر بول رہا تھا۔ (فرانسیسی وہاں اکثریت کی زبان ہے) پوچھنے لگا "تم کیا

کولمبیا لینڈ۔ وہ جہاز جو پاکستانی مہم میں استعمال ہوا تھا۔

کرتے ہو؟" میں نے کہاں "طالب علم ہوں، سیر کی غرض سے آیا ہوں۔" پھر اس نے پوچھا: "یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں نے کہا "کچھ نہیں!" بولا: ملازمت کرو گے؟" میں نے ہنس کر جواب دیا "نہیں میں کل ہی واپس جارہا ہوں۔"

بازار کی سیر کرتے ہوئے ایک دکان میں وزیر اعظم بے نظیر کی شان میں ایک نغمے کا ریکارڈ بج رہا تھا اس وقت وہ سابق وزیر اعظم تھیں۔ ہم دکان دار کو پاکستانی سمجھ کر اندر داخل ہوئے تو معلوم ہوا وہ بھارتی ہندو تھا۔ بہر حال وہ بہت اخلاق سے ملا۔ اس نے ہمارے کئی ساتھیوں کو اپنے ذاتی فون سے پاکستان کے لئے کال کروائی، مجھے ویو کارڈز در کار تھے، اس نے ایک گائیڈ ساتھ کر دیا۔ اس تمام کارروائی میں دلچسپ بات یہ تھی کہ دکان پر خریداروں کا ہجوم مسلسل برقرار رہا۔

۲۹ دسمبر

صبح چھ بجے تبریز نے اٹھا دیا کہ جاکر موسم کی حرارت کی ریڈنگ لیجئے۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ چلنا دشوار تھا اور پھر دستانوں کے ساتھ ریڈنگ لینا کہیں مشکل کام تھا میں نے دستانے اتارے تو تھوڑی ہی دیر میں ہاتھ شل ہو گئے۔ حالانکہ میں نے پورے لباس کے اوپر جیکٹ اور ٹوپی پہنی ہوئی تھی، مگر ہوا کی خنکی جسم میں گھسی جارہی تھی۔ اس شدید موسم میں میری طبیعت خراب ہو گئی۔

۳۰ دسمبر

آج گیارہ بجے برونی کا لیکچر تھا، موضوع تھا "انٹار کٹیکا میں بقائے حیات۔" دن بھر بارش ہوتی رہی پھر شام ہو گئی۔ پھر رات کا وقت ہو گیا لیکن یہ کتنی حیرت انگیز بات تھی کہ صبح ساڑھے چار بجے سورج طلوع ہوا اور اس نے ڈوبنے کا نام نہ لیا۔ خدا خدا کر کے رات دس بج کر ۲۵ منٹ پر سورج مشرق میں ڈوبا۔ واقعی اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام کتنا عجیب و غریب بنایا ہے۔ میں نے نوٹس بورڈ پر مندرجہ ذیل عبارت دیکھی۔

"۳۱ دسمبر سے جہاز انٹار کٹیکا کے پانیوں میں داخل ہو جائے گا۔ ہر قسم کی گندگی کوڑا کرکٹ (سوائے کھانے کی چیزوں کے) پھینکنا بالکل منع ہے۔ گلاس، پلاسٹک کی بوتلیں، خالی ڈبے وغیرہ سمیت ہر چیز اٹھالی جائے۔"

۳۱ دسمبر

میری اوبز رویشن (مشاہدہ) آج سے شروع ہوئی۔ دھند اور تیز ہوا میں اپنی تو حالت خراب ہو گئی۔ صبح آٹھ بجے ریڈنگ لی، پھر اسٹیشن کے لئے کام کیا، بارہ بجے پھر ریڈنگ لی، پھر یہی سلسلہ شام چار بجے، رات آٹھ بجے اور بارہ بجے تک رہا۔ رات کو حسب دستور نئے سال کی پارٹی تھی، میں شریک نہیں ہوا۔ دھند کی وجہ سے دور کا منظر صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ صبح کے وقت کچھ چھوٹے پرندے نظر آئے۔ شام کو کچھ دکھائی نہ دیا۔ جہاز کے کریو کے کچھ ارکان کو "قاتل وھیل" نظر آئی، مگر ہم لوگ دیکھنے میں ناکام رہے۔ صبح بوندا باندی ہوئی تو پانی میں برف کے ذرات بھی شامل تھے، رات کہر کی وجہ سے جہاز کو تین گھنٹے تک رکنا پڑا۔ پھر کھانے کے بعد گپ شپ ہوتی رہی۔ رات بارہ بجے تک سورج کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

یکم جنوری ۱۹۹۱ء

صبح آٹھ بجے جب میں اور دانش ریڈنگ لینے برج پر پہنچے تو نائب کپتان بیٹل نے پرجوش لہجے میں ہمیں بتایا کہ آج صبح پانچ بج کر بیس منٹ پر ہم نے پہلا آئس برگ عبور کیا ہے۔ بیٹل بہت سنجیدہ اور سخت مزاج آدمی ہے لیکن یہ بات کہتے ہوئے اس کی خوشی اور جوش کی کیفیت صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ بیٹل کے انکشاف کے مطابق تھوڑی دیر بعد ہم دو آئس برگس کے درمیان سے گزرے، ایک ہم سے ساڑھے چار میل کے فاصلے پر تھا، جب کہ دوسرا پانچ میل دور تھا، مگر دھند کی وجہ سے ہم دیکھ نہ سکے۔

جب ہم ریڈنگ لینے کنٹینر کی طرف جانے لگے تو عرشے پر سرد ہوا کے ساتھ برف باری نے ہمارا استقبال کیا۔ برف باری دیکھنے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔ البتہ جمی ہوئی برف ایوسیہ میں دیکھ چکا تھا۔ صبح ساڑھے دس بجے ہمارا جہاز دو آئس برگس کے درمیان سے گزرا، ان سے ہمارا فاصلہ بمشکل تین چار میل یا کچھ زیادہ ہو گا۔ برف باری نے ماحول کو دل کش بنا دیا تھا۔ جب بارہ بجے ریڈنگ لینے گئے تو دھوپ میں چمکتا ہوا ایک اور آئس برگ

نظر آیا۔ آسمان پر بادل آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ اور دھوپ چھاؤں کے اس کھیل میں آئس برگ کا ایک حصہ ہلکا نیلا اور دوسرا سفید نظر آرہا تھا۔ موسم اس قدر سرد تھا کہ بار بار دستانے اتار کر ہاتھوں کو گرم کرنا پڑتا..... کام کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ رات کھانے کے بعد فلم دیکھتے ہوئے معلوم ہوا کہ میجر شبیر کی سالگرہ ہے اور سب نے کیک تیار کر کے اچانک سر پرائز دینے کا پروگرام بنایا ہے، میجر صاحب عجب انداز سے گویا ہوئے "آپ دعا کریں کہ ہمارا مشن کامیابی سے ہم کنار ہو، ورنہ میری اگلی سالگرہ نہ ہو کیوں کہ ہم ناکامی کی صورت میں واپس جاکر منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

رات بارہ بجے جہاز لوڈ پیریشن ایریا سے گزرا۔ سمندر کی تند و تیز موجیں جہاز سے اٹکھیلیاں کر رہی تھیں۔ ہاں یاد آیا صبح ہمیں کچھ فاصلہ سے چار پانچ قاتل وھیل بھی نظر آئیں۔

۳ جنوری ۱۹۹۱ء کو ہم نے خلیج ایمنڈ سن میں پر فضا مناظر دیکھے۔ میں نے جو کچھ دیکھا تمام عمر ناقابل فراموش رہے گا۔ صبح کے وقت موسم پر سکون تھا۔ سطحِ آب پر برف کے ٹکڑے تیرتے نظر آرہے تھے، جو دور سے چھوٹے لگتے اور جب ہمارا جہاز ان کے درمیان سے گزرتا تو پتہ چلتا کہ یہ تو خاصے بڑے اور وزنی ہیں۔ پھر ہم نے سمندری پانی کے ساتھ برف کی سفید چادر بچھی دیکھی۔ ہمارا جہاز سست رفتار سے چلتا ہوا منجمد برف میں داخل ہو گیا۔ تب میں نے خراماں خراماں تیرتے ہوئے برفانی جزیروں پر بے شمار سیل اور پینگوئن کو ستاتے ہوئے دیکھا۔ خدا کی یہ انوکھی مخلوق ہمیں تجسس سے دیکھ رہی تھی کیونکہ اس کے لئے ہمیں دیکھنا بھی انوکھا نظارہ تھا۔ وہ جہاز کے قریب آنے کا انتظار کرتے اور پھر پانی میں ڈبکی لگاتے تھے۔ میں نے ان یادگار لمحوں کو اپنے کیمرے کی مدد سے قید کر لیا، مگر میں آج بھی اس بات پر حیران ہوں کہ کیبن (میرا کیمرا) یا کوئی دوسرا بہترین کیمرا ان مناظر کے ساتھ انصاف کیوں نہیں کر سکتا!

انٹارکٹیکا میں تمام جانور، جھینگے کی ایک قسم کرل کھا کر گزارا کرتے ہیں، جس کی افزائش بے تحاشا ہوتی ہے اور یہ صرف اسی سرد براعظم میں منفی دو (۲ —) سے مثبت دو (۲ +) درجہ حرارت تک زندہ رہتا ہے۔ میں نے کچھ مردہ کرل فورمالین (ایک مخصوص کیمیکل) کے ذریعہ محفوظ کر لئے۔

رات ڈھل چکی تھی۔ نیند ابھی تک مجھ سے کوسوں دور تھی اور میرا ذہن دن بھر کے حسین نظاروں سے پر تھا۔ گھڑیال کی دونوں سوئیاں بارہ کو چھو رہی تھیں۔ ہمارا سفر جاری رہا — منجمد برف موٹی اور سخت ہو گئی تھی۔ پہلے ہم خلیج ایمنڈ سن کی سمت ہوئے اور آخر میں ہم "خلیج کیپے" کی طرف چلنے لگے۔ ہماری اگلی منزل جرمانختا تھی اور انجام کار ہم خلیج "بری ویکن" میں داخل ہو گئے۔ ہم نے اس جگہ کو انٹارکٹیکا میں پاکستان کے پہلے مستقل اڈے کی تعمیر

انٹارکٹیکا میں پاکستانی مہم جو ٹیم کا گروپ فوٹو۔ دائیں سے تیسرے (سیاہ چشمہ لگائے) اصغر جمال ہیں

کے لئے موزوں سمجھا۔ ۱۵ جنوری کی صبح کو ہماری پہلی ٹیم ہیلی کاپٹر کے ذریعہ براعظم کی زمین پر قدم رکھنے کے لئے روانہ ہوئی۔

ہماری ٹیم آٹھ ارکان پر مشتمل تھی جو چار دن تک موسم کی سختیاں جھیلتے رہے۔ آرمی اور نیوی کے افراد نے کیمپ لگانے شروع کر دیئے اور ان کی مدد کے لئے ۲۳ جنوری کو پسٹن بلی (برف توڑنے کی مخصوص مشین) کو برف کے ساحل پر اتارا گیا۔ کولمبیا لینڈ جہاز پہلی مرتبہ اسی کو اتارنے کے لئے ساحل کے نزدیک گیا۔ یہ بہت خطرناک کام تھا۔ ذرا سی بھول چوک سے کوئی حادثہ ہو سکتا تھا۔ بھارت کی ٹیم جب انٹارکٹیکا گئی تو ان کی پسٹن بلی برف میں ڈوب گئی تھی۔ آخر وہ وقت آگیا جس کا مجھے بے چینی سے انتظار تھا۔ ۲۵ جنوری کو انٹارکٹیکا کی سرزمین پر اترنے کی میری خواہش پوری ہو گئی۔ یقین کیجئے، بڑا مزہ آیا۔ میں ہیلی کاپٹر کے ذریعہ اڑ کر بیس کیمپ تک پہنچا، جو انتہائی تجربہ کار انجینئرز نے تعمیر کیا تھا۔ یہ تین شوخ سرخ رنگ کے کنٹینرز، تین اگلو (برفانی مکان) اور چار خیموں پر مشتمل تھا۔ پرچم لہرانے کی تقریب ساڑھے گیارہ بجے سورہ رحمان کی تلاوت سے شروع ہوئی، قومی ترانہ بجایا گیا اور کموڈور وسیم احمد نے اسٹیشن پر قومی پرچم لہرا دیا۔ ہمارا سبز پرچم، سفید براعظم پر بڑی شان سے لہرا رہا تھا۔ پاکستان اس براعظم پر قدم جمانے والے ممالک میں ۳۵ واں اور عالم اسلام کا واحد ملک ہے۔

اسٹیشن کی چابیاں سرکاری طور پر چیف سائنٹسٹ ڈاکٹر ایم ایم ربانی کے سپرد کر دی گئیں۔ آرمی اور نیوی کے اکثر افسران واپس جہاز پر چلے گئے۔ میں ان سائنس دانوں میں شامل تھا جنہوں نے پہلے بیچ کے طور پر براعظم پر رہنا پسند کیا۔ سیل اور پینگوئن کی سرزمین انٹارکٹیکا پر ہم آٹھ دن تک

انٹارکٹیکا کی پہلی مہم کی کامیابی، جناح موسمیاتی اسٹیشن کی تعمیر کے موقع پر یہ کیک تیار ہوا تھا۔

ٹھہرے رہے۔ ان دنوں میں ہم نے مختلف سائنسی کام کئے۔ مائکرو بیالوجسٹ کی حیثیت سے میرا کام علاقہ کا مائکرو بیالوجی کی رو سے جائزہ لینا تھا (جسے مائکرو فلورا کہتے ہیں) میں نے برف، پرندوں کی بیٹوں اور پینگوئن کے خون نیز فضلہ کے مختلف نمونے اکٹھے کئے۔

ان آٹھ دنوں میں، میں نے بھی دوسرے ساتھیوں کی طرح برف سے تیمم کر کے نماز پڑھی اور وہاں اذان دینے کی سعادت بھی حاصل کی۔ ہم وہاں پاکستان کے وقت کے مطابق نماز ادا کرتے تھے، کیونکہ وہاں دنیا کے دیگر حصوں کی طرح دن رات نہیں ہوتے، چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔

اپنے قیام کے دوران میں ہماری بعض پینگوئن سے دلچسپ نوک جھونک ہوئی، کچھ تو اتنے نڈر تھے کہ ہمارے کیمپ میں گھس آتے اور صورت حال کا جائزہ لیتے۔ یہ بھولی بھالی مخلوق، خوبصورت اور بے ضرر ہے۔ ہاں مقابلہ تو سخت ہوا موسم کے ساتھ! آخری چار دن تند و تیز برفانی طوفان اور سرد ہواؤں کا مقابلہ کرتے ہوئے گزرے۔ اس براعظم کا درجہ حرارت عموماً منفی تیس (موسم گرما میں) اور منفی اسی (موسم سرما میں) رہتا ہے۔ البتہ ہم جہاں ٹھہرے تھے، وہاں منفی پندرہ تھا۔ ہمارا مخصوص لباس چار حصوں پر مشتمل تھا، ہماری جیکٹ کچھ ایسی تھی کہ نمی کو بھاپ بنا کر خشک کر دیتی تھی۔ یہ انتظام اس لئے کیا گیا تھا کہ اگر کسی قسم کی

نمی جسم کے کسی حصے پر جم جائے تو وہ حصہ بے کار ہو جاتا ہے اور اسے کاٹ کر پھینکنا پڑتا ہے۔

ان شدید مشکلات کے باوجود ہم نے اپنے کام بہ خیر و خوبی انجام دیئے۔ طوفانی ہواؤں نے ہم تک تازہ غذا پہنچانا ناممکن بنا دیا تھا کیوں کہ ایسا موسم ہیلی کاپٹر کی پرواز کے لئے موزوں نہیں ہوتا۔ جہاز سے ہمارا واحد رابطہ ریڈیو کے ذریعہ برقرار تھا۔ ایک دشواری یہ تھی کہ ۲۴ گھنٹے میں صرف دو گھنٹے کے لئے ایسا اجالا ہوتا کہ پو پھٹتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، ورنہ اندھیرا چھایا رہتا تھا۔

یکم فروری ۱۹۹۲ء کو ہماری وطن واپسی کا سفر مسرت و شادمانی کے ساتھ شروع ہوا، بعض دیگر ممالک کی مہمات کے برعکس ہمیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں اٹھانا پڑا۔ البتہ بعض لمحات ایسے بھی آئے کہ ہم اپنے عزیزوں کو یاد کر کے بہت افسردہ اور بیزار ہوئے، بہر حال اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کے کاموں میں۔

۲۴ دن کے بعد ہم نے کراچی کی روشنیاں دیکھیں۔ ہمارا جہاز صبح سویرے بندر گاہ میں داخل ہوا جب میں نے اپنی پیاری سرزمین پر قدم رکھا تو بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آگئے کہ دنیا کا کوئی ملک اور کوئی براعظم میرے وطن سے زیادہ پیارا، حسین اور محفوظ نہیں ہے اور ..... ویسے بھی۔

یہ آنسو خوشی کے تھے جو اپنے وطن پہنچنے کی خوشی میں بہے تھے۔

کامیابی مبارک

اپنی کامیابی سے

ہمیں بھی باخبر کیجئے

آپ کسی بھی کلاس
کے طالب علم ہوں ... اگر آپ نے کلاس میں
——— پہلی پوزیشن ———
——— دوسری پوزیشن ———
یا
——— تیسری پوزیشن ———
حاصل کی ہے تو اس کی تصدیق اپنے تعلیمی
ادارے کے سربراہ سے کروا کے اور ہمیں
بھجوا دیجئے؛

ہم آپ کو

پرائڈ آف پوزیشن

کی سند دیں گے

تحریک فروغ علم میں پیش پیش

ماہنامہ

آنکھ مچولی

1- پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

ادارہ

عکس ادھورے کیجیے پورے

اِس مقابلے میں ہم ہر ماہ کسی ایک شعبے سے تعلق رکھنے والی، دُنیا کی دو معروف شخصیات کے ادھورے خاکے شائع کرتے ہیں۔ آپ کو ان شخصیات کو پہچاننا ہے اور ان کی وجۂ شہرت بتانا ہے۔ آپ کی معلومات میں اضافے کے لیے آئندہ ماہ ہم صحیح جوابات کے ساتھ ان لوگوں کے مختصر حالاتِ زندگی بھی شائع کریں گے۔ بالکل صحیح جواب دینے والے ساتھی کو تین ماہ کے لیے ماہنامہ آنکھ مچولی مفت ارسال کیا جائے گا، ایک سے زیادہ درست حل موصول ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جائے گا۔ مقابلے میں شرکت کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

- جوابات الگ کاغذ پر صاف صاف تحریر کیے جائیں۔
- ہر ماہ کی دس تاریخ تک ادارہ کو موصول ہو جائیں۔
- جوابات کے ساتھ بھیجنے والے کا مکمل پتا ضرور ہو۔

ان تین شرطوں میں سے کسی ایک بھی شرط کے پورا نہ ہونے پر جوابات کو مقابلے سے خارج کر دیا جائے گا؛

پتا انچارج انعامی مقابلہ "عکس ادھورے، کیجیے پورے"
ماہنامہ آنکھ مچولی، ۱-پی آئی بی کالونی، کراچی ۷۵۸۰۰

گزشتہ ماہ کے
درست جوابات

نواب بہادر یار جنگ

نواب بہادر یار جنگ تحریک پاکستان کے ایک اہم رکن تھے۔ ان کا تعلق حیدر آباد دکن سے تھا۔ بہادر یار جنگ ۱۹۰۶ میں پیدا ہوئے۔ بائیس برس کی عمر سے ہی ملی سماجی بہبود کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ برطانوی اقتدار کے سخت مخالف تھے۔ آپ نے ایک سماجی مجلس اتحاد المسلمین کی بنیاد ڈالی۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس منعقدہ لاہور میں شرکت کی اور بڑی زور دار تقریر کی۔ پاکستان کے قیام کی کوششوں اور پاکستان سے ان کی محبت کا اندازہ اس تاریخی جملے سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے قائداعظم کے لئے کہا تھا انہوں نے کہا تھا۔" خدا میری عمر بھی قائداعظم کو دے دے۔ " شاید ان کی یہ دعا قبول ہوئی۔ وہ خود تو ۱۹۴۴ء میں انتقال کر گئے لیکن قائداعظم پاکستان کو قائم کرنے کے لئے زندہ رہے۔ وہ زندگی کے آخری لمحے تک اپنے نظریات سے منحرف نہ ہوئے۔ ان کی خاطر انہوں نے اپنی جاگیر، خطاب اور منصب تک چھوڑ دیا۔

چوہدری رحمت علی

لفظ "پاکستان" کے خالق چوہدری رحمت علی مرحوم ۱۸۹۳ء میں ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ جالندھر سے میٹرک کا امتحان پاس کر کے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور یہیں سے ۱۹۱۹ء میں بی اے کیا۔ ۱۹۳۰ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے جہاں قانون کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد سے مرحوم کی زندگی کا بیشتر حصہ انگلستان میں گزرا۔ ۱۹۳۲ء میں انہوں نے ایک پمفلٹ لکھا جس میں ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ اور آزاد وطن کا مطالبہ کیا گیا اور اس کے لئے پاکستان کا لفظ تجویز کیا گیا تھا۔ چوہدری صاحب مرحوم کے پیش کردہ لفظ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور غیر ملکی اخبارات بھی مجوزہ ملک کو پاکستان کے نام سے پکارنے لگے۔ چوہدری صاحب زیادہ تر انگلستان میں رہے۔ قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصے کے لئے یہاں آئے لیکن پھر انگلستان چلے گئے۔ اور وہیں کیمبرج میں فروری ۱۹۵۱ء میں انتقال کیا۔

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام حاصل کرنے والی خوش نصیب

نبیلہ سعید، بہاولپور

بالکل درست جواب دینے والے ساتھیوں کے نام

محمد علی جواد، لاہور۔ محمد سلیم رضا، لاہور۔ پرنس انس ریاض ساگری، دینہ۔ پرنس عمر ریاض ساگری، دینہ۔ علی بن ضیا، فیصل آباد۔ محمد امتیاز، راولپنڈی۔ سلمان احمد، شیخوپورہ۔ جویریہ تھانوی، کراچی۔ وسیم شوکت، گوجرانوالہ۔ ایم وقاص انجم، لاہور۔ آغا ظفر احمد، کراچی۔ محمد بلال، مینگورہ۔ شمع فریال عمر، کراچی۔ عطاالغفار ناصر، ربوہ۔ غزالہ غزل، کراچی۔ محمد طٰہٰ شیخ، کراچی۔ حماد شیخ، کراچی۔ ثنا قیصر سہیل، اسلام آباد۔ سیما عقیل راجپوت، حیدر آباد۔ یوسف قریشی، کراچی۔ تیمور قریشی، کراچی۔ محمد ابو بکر صدیق، گڈو۔ یاسر آفاق، لاہور۔ عمر سلمان، رسالپور۔ آفتاب احمد انصاری، گوجرانوالہ۔ شیر نواز گل، پشاور۔ علی سلمان حیدر، ملتان۔ مرزا محمد سعید، بہاولپور۔ عروج زہرہ، راولپنڈی۔ محمد راحیل بن یحییٰ، حیدر آباد۔ نوید احمد، کراچی۔ شبنم عقیل راجپوت، حیدر آباد۔ عفان حکیم خان، کراچی۔ رابیل اختر، لاہور۔ عامرہ خالق قریشی، عامر خالق قریشی، محمد رفیق قریشی، محمد شفیق قریشی، عبدالخالق قریشی، ایبٹ آباد۔ عمارہ سعید، بہاولپور۔ احمد رضا، کراچی۔ سید طاہر شاہ، جھمرہ سٹی۔ صائمہ دلدار ہمدانی، جھمرہ سٹی۔ مسعود احمد سومرو، منصور احمد سومرو، صبا پروین سومرو، گڈو۔ نزہت علوی، پٹارو۔ عثمان نعیم بٹ، لاہور۔ سیدہ حنانورین کاظمی، کراچی۔ عروج عزیز، کراچی۔ منوج کمار جی رامداس بچانی، حیدر آباد۔ سید احسن علی، کراچی۔ صائمہ وکیل، کراچی۔ نورین نعیم، کراچی۔ روح اللہ سعدی، کراچی۔ محمد طارق آرائیں۔ محمد خلد آرائیں، عنبرین آرائیں، نواب شاہ۔ پروین رضا، لاہور۔ عائزہ سلیم، رحیم یار خان۔ محمد عرفان، لاہور۔ عثمان امجد، لاہور۔ عرفان حیدر بخاری، صادق آباد۔ ارم حبیب خان، لاہور۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

"دوست یا دشمن" عاطف رانا، لاہور۔ "قائد اعظم" شہزادہ خان کستوری، کراچی۔ "کہانیاں نانیوں دادیوں کی" ضیاء الحق مظفریاب کراچی۔ "ٹڈی دیمک۔ "انسانی کی دشمن" اطہر رضا اجنبی، کراچی۔ "چمن انقطاع" سید حسنین عباس ہمدانی، کراچی۔ "گڈریا بادشاہ" یاسر اعجاز" ڈنگہ "سنہری پرندہ" ریاض خان (؟) "ضمیر فروش" معظم اسلم بٹ کشمیری، فیصل آباد۔ "سانپ ہمارے محسن" "ضمیر" سید حسنین عباس ہمدانی، کراچی۔ "غرور کا سر نیچا" محمد خالد آرائیں، نواب شاہ۔ "اقبال کے نام" محمد آصف جاوید خان، ڈیرہ غازی خان۔ "کیا یہ وہی پاکستان ہے" فرید ساجد، بھکر۔ اور فرض ادا ہو" نوشابہ اکرم، رحیم یار خان۔ "تحریک پاکستان" شکیل احمد قادری، ٹنڈو آدم۔ "ہائے یہ وطن" محمد شفیق شان، وہاڑی "قدرت کا فیصلہ" جدون ادیب، کراچی۔ "علاج کی ترکیب" محمد شہزاد احسان، جہلم۔ "سنہری پرندہ" عرفان احمد قلی، لیاری۔ "وطن" زیبا اعوان، جہلم۔ "دوغلے" محمد عظیم محبوب، گوجرہ۔ "شہدائے ستمبر کے نام" عزیز الدین خلکی، کراچی۔ "ہم نے بستر پہ نہیں جانا" سیما اکرم، لاہور۔ نیا سال" سمیرا ناز شفیق، گجرات۔ "انجام شرارت" محمد کاشف شیخ، کراچی۔ "اللہ تیرا نام ہے" پاکیزہ مہکان، حافظ آباد۔ "کھلی جنگ" جمشید احمد، لاہور۔ "بسکٹ اور ہم" فہد آفتاب، کراچی۔ "ننھے خلا باز" محمد عالم، جھنگ صدر، "ذرا نم ہو تو یہ مٹی" صبغۃ اللہ احسن، سرگودھا۔ "پیارا پاکستان" (نظم) "جب پاکستان ٹوٹا" عبد الحفیظ شاہد، خانیوال۔ "چوتھا آدمی کون بنے گا" س م ذیشان، کراچی۔ "کوشش" رضوان احمد خان، بھکر، "فرہاد ولا" یوسف عثمانی، کراچی۔ "سگریٹ نوشی سے بچیں" نثار احمد ہاشمی، کراچی۔ "قبال" کی سوانح حیات" وقار خان، گوجرانوالہ۔ "راز" محمد رفیق دانش، حیدر آباد۔ "سیر کا اغوا" جمانیزیب احمد صدیقی، حیدر آباد۔ "ایک لڑکی جو بندریا بن گئی" ثوبیہ، اسلام آباد۔ "انصاف" شازیہ اقبال، کراچی۔ "پدا پدی" نسیم نیازی (؟) "خوبصورت پرندے" شرارت کی سزا" محمد اشفاق کامران، بھکر "قلمی دوستی" شاہد احمد، راولپنڈی۔ "تندرستی ہزار نعمت ہے" رضوان احمد خان، بھکر۔ "سب سے بڑا حکیم" صبا رام، لاہور۔ "ساحر کی مسحوری (؟) "سچی کون" احسن علی نقوی، کراچی۔ "سچی توبہ" "احسان فراموش گڈریا" فرزانہ جبیں، لاہور "قصہ گو" جمانزیب احمد صدیقی، حیدر آباد۔ "شناخت" کاشف شہزاد، کراچی۔ "ہماری جو شامت آئی" عائشہ ریاض، اسلام آباد۔ "وطن کی خاطر" اظہر کمال، کراچی۔ "ننھے مجاہد" محمد اشفاق کامران، ضلع بھکر۔ "کوئی تو....." بشیر احمد، پنو عاقل۔ "اڑان" طارق خان، ہزارہ۔ "دھماکہ خیز اطلاع" عمران خان یوسف زئی، پشاور "محنت کی عظمت "محبوب خان اعوان، سرگودہا۔ "شرارت کا انجام" "کلیم عرفان (؟) "غیر نصابی سرگرمیوں کی اہمیت" ناصر احمد مبلغ، اٹک۔ "صرف آٹھ باتیں" جاوید اقبال۔ حیدر آباد۔ "شرارت" سیدہ حنا نورین، کراچی۔ "برمودا ٹرائی اینگل" صائمہ کنول، کوئٹہ کینٹ۔ "خطرناک شرارت" عطاء الرحمٰن عاقب، کاموکی۔ "جولاہا اور مکھی" شیر نواز گل، ارمڑ یایان۔ "بد دعا" محمد رشید احمد، خانیوال۔ "شرارت کا مزا" پرنس شہزاد رضا، فیصل آباد۔ "شرارت" شاہد قاسم، لیاقت پور، "آنکھ مچولی" سید سلیمان، لاہور۔ "رات کا شکاری" بلال افضل ملک، خوشاب۔

بنام آنکھ مچولی

عبدالستار خان طاہر، بورے والا۔ آپ نے شرارت نمبر کے لئے بھیجا ہوا میرا مضمون "ایڈیسن کی شرارتیں" ناقابل اشاعت قرار دیا جب کہ اسی سے ملتا جلتا مضمون شائع کر دیا۔ میں آنکھ مچولی کا مستقل لکھاری ہوں اس کے باوجود آپ نے میرا نام "مزید محنت کی ضرورت ہے" میں چھاپ دیا۔ ○ ..... برادر! آپ کا مضمون ہمیں کافی دیر سے ملا۔ اس سے پہلے ہی ہمارے پاس اس موضوع پر مضمون آچکا تھا اور کمپوز بھی ہو چکا تھا لہٰذا اسی مضمون کے شائع ہونے کا حق پہلے بنتا تھا۔ آپ کا نام "مزید محنت کی ضرورت ہے" میں غلطی سے شامل ہو گیا تھا۔ اس کے لئے ہم آپ سے معذرت چاہتے ہیں۔

عامر خالق، عامرہ خالق، ایبٹ آباد۔ انکل! پلیز پرچے کو جلد مارکیٹ کر دیا کیجئے کیونکہ لیٹ ہونے کی وجہ سے ہم اس کے مقابلوں میں حصہ نہیں لے سکتے یا اگر تاخیر ہو جائے تو مقابلے کی آخری تاریخ بڑھا دیا کیجئے تاکہ ہمیں آسانی ہو۔ **محمد عبد السلام، کراچی۔** اپریل کے شمارے میں ویسے تو تمام ہی کہانیاں اچھی تھیں لیکن عالیہ صلاح الدین کی کہانی "دوستی" بے حد پسند آئی۔ **آصف نصر اللہ غ حسین، کراچی۔** اپریل کا سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ **فیصل احمد صدیقی، حیدر آباد۔** "انوکھی شرارت" "بہتر راستہ" اور نظم "مجھے اب بھیڑیوں سے ڈر نہیں لگتا" مجھے اور میرے چھوٹے بہن بھائیوں کو بے حد پسند آئی۔ **اسد کریم، کوہاٹ۔** پہلی بار آپ کی محفل میں شرکت کر رہا ہوں امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔ **قرۃ العین حسین شیخ، سکھر۔** تقریباً چار سال سے آنکھ مچولی کی خاموش قاری ہوں۔ پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔ **(نامعلوم) غازی نگر، کراچی۔** جس طرح آپ نے سب سے اچھے لطیفے پر انعام رکھا تھا اسی طرح سب سے اچھی کہانی پر بھی رکھئے۔ اس طرح اچھی سے اچھی کہانیاں چھپیں گے اور مصنفین کی حوصلہ افزائی بھی

ایک خط ایک مسئلہ

پاکستان بڑی قربانیوں کے بعد بنا ہے لیکن اس ملک کے لیڈروں کو اس بات کا بالکل احساس نہیں۔ ان کی اپنی ایک الگ دنیا ہے جس کے بارے میں ہی وہ سوچتے ہیں۔ انہیں اس ملک کے غریب بچوں کا کوئی خیال نہیں۔ کوئی تیتروں کے شکار میں فضول پورا دن اور سرکاری خزانے کا لاکھوں روپیہ ضائع کر رہا ہے تو کوئی لاکھوں روپیہ بینکوں سے قرضہ لے کر معاف کروا رہا ہے۔

ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ چیخ رہے ہیں کہ خزانہ خالی ہے جبکہ وہ قومی خزانے سے ایک کروڑ روپے کی گرانٹ اس اسکول کو دے رہے ہیں جہاں کمشنر، ڈی سی، مجسٹریٹ اور صنعت کاروں کے بچے پڑھتے ہیں۔ ایچی سن کالج کنگ ایڈورڈ کو کروڑوں روپے کی گرانٹ دی جارہی ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ بڑے بڑے وزیر اور امرا کے بچے انہی اسکولوں، کالجوں میں پڑھتے ہیں اور وہ خود انہی اسکولوں اور کالجوں میں پڑھے ہیں۔ اگر وہ خود سرکاری اسکولوں میں پڑھے ہوتے جہاں غریب بچوں کو بیٹھنے کے لئے دریاں تک میسّر نہیں تو انہیں احساس ہوتا کہ ایئر کنڈیشنڈ بنگلوں اور ایئر کنڈیشنڈ کاروں سے باہر بھی ایک دنیا ہے جس نے ہی انہیں یہ عزّت دی ہے۔

تیتروں کے شکار پر لاکھوں روپیہ فضول برباد کرنے اور صرف "بڑے لوگوں" کو بخشنے کے بجائے اس رقم سے مزید سرکاری اسکول تعمیر کئے جائیں، سہولیات فراہم کی جائیں تو اس طرح غریب طالب علم بھی علم کی دولت حاصل کر کے احساسِ محرومی سے بچ سکیں گے..... !!!

چوہدری حماد الرحمٰن گورایہ، گوجرانوالہ۔

ہوگی ○ ..... ہاں بھئی تجویز تو اچھی ہے۔ اس طرح اچھی کہانیاں آئیں گی۔ عثمان عدیل، جہلم کینٹ۔ اس ماہ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ باسط علی کا انٹرویو پسند آیا۔ محمد شکیل، راحیل، صائمہ، ارم، جہلم کینٹ۔ انکل! کرکٹ کے مزید کھلاڑیوں کے انٹرویو شائع کریں۔ ○ ..... جی ہاں یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

علی اشرف اعوان، حیدر آباد۔ باسط علی کا انٹرویو اچھا تھا۔ نئے کوئز مقابلے کا انتظار ہے۔ میرے خیال میں اسے "کسوٹی" کی طرز پر ہونا چاہئے۔ طلسین خان نیازی، فیصل آباد۔ اپریل کا شمارہ پڑھا "قصور میرا ہی تھا" پچرنگی بانسری نواز اور "انوکھی شرارت" بہت پسند آئیں۔ ایک چھوٹی سی تحریر بھیج رہا ہوں برائے مہربانی اسے کسی کونے کھدرے میں جگہ دے دیں..... !! ○ ..... بھئی! آپ آخر کونے کھدرے میں ہی کیوں چھپنا، سوری چھپنا چاہتے ہیں..... اچھی سی تحریر بھیجئے..... !! عروسہ، مدثر، مکران، ملتان۔ آج کل رسالہ بہت کمزور ہوتا جارہا ہے کیا آپ اس کی صحت کا خیال نہیں رکھتے؟ ○ ..... ایسی تو کوئی بات نہیں۔ صفحات اتنے ہی ہیں جتنے پہلے تھے۔ بلکہ غذا (مواد) بھی.... پہلے ہی جیسی ہے۔ سیدہ صدف عرفان، اسلام آباد۔ آپ نے میری اور میری بہن کی تحریریں شرارت نمبر میں شائع کیں۔ بہت بہت شکریہ۔ انکل! میری اور تحریروں کا کیا بنا؟ ○ ..... آپ کی کچھ قابل اشاعت تحریریں قلم دوست میں عنقریب شائع ہو جائیں گی۔ محمد ادریس، پشاور۔ بڑے افسوس کے ساتھ اطلاع دے رہا ہوں کہ اپریل کے شمارے کی ایک کہانی "انوکھی شرارت" نقل شدہ ہے۔ ثبوت ساتھ بھیج رہا ہوں۔ ○ ..... کہانی نقل کر کے بھیجنے والی مصنفہ کو بلیک لسٹ کیا جارہا ہے۔ محمد سعید گلاب، کراچی۔ قسط وار کہانیاں "وہ کیا

راز تھا" اور "بچاؤ" اچھی جارہی ہیں.....!! اسرا حسن، کراچی۔ صائمہ کوثر، لاہور۔ "وہ کیا راز تھا" بہت سسپنس میں جارہی ہے۔ اس کہانی کی کتنی قسطیں ابھی باقی ہیں؟ ○ ..... بھئی! یہ تو راز کی بات ہے۔ قرۃ العین فخر، ہری پور۔ رسالے کا سرورق اچھا تھا۔ "دوستی"، "پچرنگی بانسری نواز"، "غلطی میری ہی تھی" بہت پسند آئیں۔

محمد عاطف رانا، کراچی۔ ایک مسلمان اور پاکستانی ہونے کی حیثیت سے مجھے کشمیر سے اتنا ہی پیار ہے جتنا وہاں کے رہنے والوں کو۔ ایم آصف اچکزئی، جیکب آباد۔ مجھے کہانی لکھنے کا کوئی شوق نہ تھا مگر پچھلے دنوں آپ کا "شرارت نمبر" دیکھ کر مجھے بھی لکھنے کا شوق ہوا ہے اور میں ایک کہانی "انجام" بھیج رہا ہوں ○ ..... بھائی! آپ کو ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے۔ محمد اظہر اقبال، میانوالی۔ آپ میری تحریروں کے بارے میں کیوں نہیں بتاتے؟ ○ ..... برادر! آپ کی تمام تحریریں ناقابل اشاعت ہیں آپ مزید محنت کی طرف توجہ دیں۔ حنا عروج قریشی، سانگھڑ۔ یہ میرا پانچواں خط ہے اگر یہ بھی نہ چھپا تو میں آنکھ مچولی پڑھنا بند کردوں گی۔ ○ ..... ہمیں تو آپ کا پہلا ہی خط ملا ہے۔ چار خط اور بھیجئے پھر پڑھنا بند کیجئے گا۔ طاہر سلیم بٹ، لاہور۔ مارچ کا شمارہ بہت پسند آیا۔ آپ کے رسالے میں لطائف اچھے نہیں ہوتے۔ فہمینہ برڑو، ٹھٹھہ۔ انکل! ہمارے ہاں تعلیم کا اوسط بہت کم ہے اور دیہی علاقوں میں غیر نصابی سرگرمیوں کا فقدان ہے اور پھر جو پروگرام ہوتے بھی ہیں اس میں شہری اسکولوں سے طلبہ و طالبات بلائے جاتے ہیں جو خود ہی پروگرام کرتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ پاکستان کے تمام دیہی علاقوں کے اسکولوں میں غیر نصابی سرگرمیوں میں صرف ایسی علاقے کے اسکول کے بچوں کو فوقیت دی جائے اس طرح ان کا ٹیلنٹ بھی کھل کر سامنے آسکے گا۔ محمد رضا چنگیزی، کوئٹہ۔ مجھے بڑی جلدی غصہ آجاتا ہے کوشش کے باوجود دماغ ٹھنڈا نہیں رکھ سکتا۔ بہت جذباتی ہوں۔ مجھے تو شک ہے کہ میرے پاس دماغ ہی نہیں.....!! ○ ..... بھائی رضا چنگیزی! غصے کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ آپ اپنے اندر نرمی، صبر و برداشت کی قوت پیدا کریں۔ اگر آپ کے پاس دماغ نہ ہوتا تو آپ یہ اتنا اچھا خط ہمیں کس طرح لکھ سکتے تھے؟ ملک طارق محمود اعوان، گولارچی۔ سنہرے حروف دل پر نقش ہوگئے۔ پہلی بات نے متاثر کیا۔ آپ ہر ماہ کسی لکھاری کا انٹرویو شائع کریں تو بہت اچھا ہوگا۔ امجد طارق، سنگو۔ آنکھ مچولی ایک بہترین رسالہ ہے۔ میری دعا ہے کہ آنکھ مچولی خوب ترقی کرے۔ ریاض حسین قمر، جہلم۔ عید کے موقع پر آپ نے جس طرح مجھے یاد رکھا یہ میرے لئے بڑی عزت افزائی ہے۔ سلمان خان یوسف زئی، حیدر آباد۔ مجھے آپ سے بہت شکوہ ہے آپ نے نہ تو میری کہانی شائع کی اور نہ میرے خط ○ ..... بھائی! یہ لیجئے آپ کا خط شائع ہوگیا۔ رہا معاملہ کہانی کا تو ابھی آپ کو کافی محنت کی ضرورت ہے۔ پرنس عمر ریاض ساگری، جہلم۔ شمارہ بازار میں جلد بھیجا کیجئے تاکہ بچے انعامی سلسلوں کے حل وقت پر روانہ کرسکیں۔ مہوش سکندر، راولپنڈی۔ "شرارت نمبر" میں اپنی تحریر پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ عظیم اختر، عدیم اختر، میرپور خاص۔ میری ایک تجویز ہے کہ "مذہبی نمبر نکالا جائے جس میں مذہب کے بارے میں معلومات، واقعات اور کہانیاں شامل ہوں۔ نورین احسان، یونیورسٹی ٹیکسلا۔ یہ میرا پہلا خط ہے۔ خدانخواستہ آپ نے شائع نہ کیا تو مجھے بہت افسوس ہوگا۔ محمد زاہد سلیم، کراچی۔ آنکھ مچولی میرا پسندیدہ ماہنامہ ہے جس میں دلچسپ کہانیاں اور بہت سی معلومات ہوتی ہیں۔ کنور واجد حسین، چکوال۔ اس بار لطیفے اچھے نہیں لگے۔ قلمی دوستی کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے۔ عافیہ سعید سحر، چکوال۔ پہلے تو ہر ماہ کا شمارہ منفرد خیالات سے مزین ہوتا تھا لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ مچولی کے پاس "محنتی دماغ" کم ہوگئے ہیں۔ ○ ..... بھئی عافیہ! ایسی تو بات نہیں ہم تو آنکھ مچولی کو اچھوتا اور منفرد بنانے میں سرگرم عمل ہیں۔ نوشابہ اکرام، رحیم یار خان۔ جس بات نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے وہ ایف ایس سی کے امتحانات

میں نقل کا بڑھتا ہوا رجحان ہے۔ کب تک پروفیسروں کے بچے میڈیکل میں جاتے رہیں گے؟ کیا ٹاپ کرنے کا حق صرف انہی کو ہے؟؟ **قاضی محمد فیصل، کراچی۔** آنکھ مچولی میرا پسندیدہ رسالہ ہے جسے میں بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ **نوین جاوید، بہاولپور۔** آنکھ مچولی ہمارا اور گھر والوں کا پسندیدہ رسالہ ہے۔ **بشریٰ جاوید، محمد شبیر، بہاولپور۔** آپ چھوٹے بچوں کے لئے انعامی مقابلے کرائیں..... !! ○ ..... چھوٹے بچوں کے لئے بھی مقابلے ہم کراتے رہتے ہیں شاید آپ کی نظر سے نہیں گزرے۔ **جان محمد جاوید، محمد علی نیّر، بہاولپور۔** انکل! آپ زیادہ سے زیادہ رنگ دار تصویریں شائع کریں۔ **نور محمد جاوید، بہاولپور۔** آنکھ مچولی کے آرٹسٹ، ایڈیٹر اور دوسرے لوگ جو آنکھ مچولی کے لئے کام کرتے ہیں ان سب کا تعارف باری باری شائع کیجئے۔ ○ ..... آپ کی تجویز اچھی ہے۔ **ندیم محسن میانوالی۔** اس ماہ کا آنکھ مچولی بہت اچھا تھا۔ ساری کہانیاں مزے کی تھیں۔ **محمد طارق القیوم، حیدر آباد۔** مجھے کہانی لکھنے کا طریقہ نہیں آتا۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں۔ ○ ..... ایک کاپی ایک قلم اور سوچنے والا دماغ۔ ان تینوں کے تعاون سے آپ کہانی لکھ سکتے ہیں لیکن پہلے بہت ساری کہانیاں پڑھ بھی لیجئے گا..... **حمیدہ تبسم، کراچی۔** امید پر دنیا قائم ہے اس لئے اس امید پر خط لکھا ہے کہ شائع ہو جائے گا۔ **ساجد الرحمن، قیوم آباد۔** اس بار نظمیں اچھی تھیں البتہ سرورق نے متاثر نہیں کیا۔ **محمد شکیل بھٹو، دادو۔** اس دفعہ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ **محمد ندیم خالد، بہاولپور۔** کافی عرصے سے مقابلہ مضمون نویسی نہیں ہو رہا۔ کوئی تازہ مقابلہ کروایئے..... !! ○ ..... لیجئے جناب! اس بار تازہ مقابلہ حاضر ہے۔ **چوہدری افتخار احمد خضر، جھنگ۔** پہلے تو ہر ماہ کوئی نہ کوئی قیمتی تحفہ دیا کرتے تھے لیکن اب صرف اسٹیکر زپر ٹرخا دیتے ہیں۔ ○ ..... بھائی! آنکھ مچولی کیا کسی تحفے سے کم ہے۔ **محمد خباب امین، لاہور۔** شمارہ پسند آیا۔ کہانیاں اچھی تھیں سرورق بھی اچھا لگا۔ **شہباز اکبر الفت، لاہور۔** کیا آنکھ مچولی میں پورے پاکستان کے بچوں کی تحریریں اور خطوط شائع ہوتے ہیں؟○..... آپ پچھلے شمارے اٹھا کر موازنہ کر سکتے ہیں۔ **محمد شفیق، لاہور کینٹ** آنکھ مچولی جلد مل گیا۔ سرورق خوبصورت تھا۔ ماہ رواں کی پہلی بات اور سنہرے حروف پسند آئے۔ **فاطمہ شفیع خان، کراچی۔** آپ میری کوئی تحریر چھاپیں نہ چھاپیں لیکن خط ضرور..... ○ ..... لیجئے چھاپ دیا۔ **سارہ علی چوہدری، راولپنڈی۔** انکل! نقل چوروں کے لئے کوئی زبردست سی سزا تجویز کیجئے۔ ○ ..... نقل چوروں سے تو ہم بھی عاجز آئے ہوئے ہیں آپ ہی کوئی سزا بتایئے۔ **محمد خالد حمید، ملتان۔** پہلی بار آنکھ مچولی پڑھا تو خط لکھنے بیٹھ گیا۔ اس بار ٹائیٹل خوبصورت تھا۔ **شکیل شاہ ارمان، تربت۔** انکل! اگر آپ نے میرا خط شائع نہ کیا تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔ **سید آصف حسن، اسلام آباد۔** کیا آنکھ مچولی میں لکھنے کے لئے پیشگی اجازت لینی پڑتی ہے؟○ ..... جناب! آپ بغیر اجازت بھی لکھ سکتے ہیں۔ **محمد عدنان عبد العزیز، کراچی۔** انکل! ایک کہانی بھیج رہا ہوں جس کا نام ہے "ہمت نہ ہاریئے" ○ ..... بھائی! آپ ہمت نہ ہاریئے جلدی سے دوسری کہانی بھیجئے یہ کہانی ناقابل اشاعت ہے۔ **جاوید حنیف، کراچی۔** پہلی بار خط لکھ رہا ہوں امید ہے مایوس نہیں کریں گے۔ **باور جان، نوید، آصف، مروان۔** آنکھ مچولی ہمیں بے حد پسند ہے ہم اس کے سالانہ خریدار بننا چاہتے ہیں۔ ○ ..... سالانہ خریدار بننے کے لئے ۲۰۰ روپے منی آرڈر کر دیجئے۔ **نعمان احمد خان، کراچی۔** شرارت نمبر میں جان شیر کے بارے میں غلط معلومات فراہم کی گئیں۔ شمارہ البتہ پسند آیا۔ ○ ..... توجہ دلانے کا شکریہ۔ **ثروت یعقوب، لاہور۔** پہلی بار رسالے میں شرکت کر رہی ہوں امید ہے حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

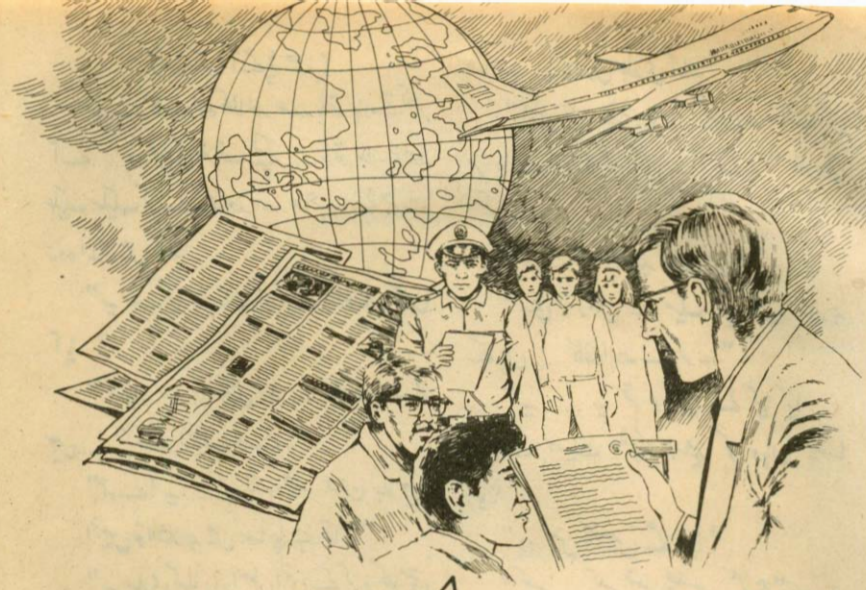

بچاؤ

اشتیاق احمد

آخری قسط

انسپکٹر جمشید کی غیر حاضری میں بچے گھر پر اکیلے تھے کہ پروفیسر عمران جاہ زخمی حالت میں گھر میں داخل ہوئے۔ دشمن بھی ان کے تعاقب میں یہاں آن پہنچا۔ ایک طویل ذہنی اور جسمانی جنگ کے بعد بالآخر دشمن کو قابو کر لیا گیا۔ انسپکٹر جمشید واپس گھر پہنچے تو میدان صاف ہو چکا تھا۔ تمام حالات معلوم کرنے کے بعد وہ فوج کی مدد سے اپنے ساتھیوں سمیت شہر کی محفوظ ترین عمارت میں منتقل ہو گئے۔ انشارجہ کا زلزلہ بہت چالاک تھا۔ وہ پے در پے چالیں بدل کر عمارت کے اندر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت وہ انسپکٹر جمشید کے میک اپ میں تھا۔ لیکن بظاہر معصوم نظر آنے والے بچے اس کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہوئے اور وہ پیکٹ حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ بالآخر صدر صاحب کے انشارجہ سے واپس آنے پر پیکٹ ان کے حوالے کر دیا گیا۔ پیکٹ وصول کرنے کے بعد صدر صاحب کی اصلیت کھلی تو پتا چلا کہ وہ دراصل رابل ہے جو صدر کے میک اپ میں عمارت کے اندر داخل ہو کر وہ پیکٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ لیکن بازی نے ایک بار پھر پلٹا کھایا۔ میدان دوبارہ انسپکٹر جمشید کے ہاتھ رہا۔ کیونکہ وہ شروع سے ہی پروفیسر عمران جاہ کے میک اپ میں عمارت کے اندر رہ کر دماغی چالیں چل رہے تھے۔ آخری چال کے طور پر انشارجہ والوں نے انشارجہ میں موجود صدر صاحب کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دے کر انسپکٹر جمشید کو اپنا مطالبہ ماننے پر مجبور کر لیا۔ لیکن یہاں بھی انسپکٹر جمشید نے فرزانہ کے مشورے سے ایک کامیاب چال چلی۔

(اب آپ آگے پڑھیئے)

طیارے کا دروازہ کھلا اور صدر ہاتھ ہلاتے نظر آئے..... وہ ان کی طرف لپکے..... ہاتھ ملائے اور علیک سلیک کرنے کے بعد صدر صاحب نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"یہ سب کیا ہے؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"آیئے سر..... ابھی سارے حالات سناتے ہیں....." کمانڈر انچیف بولے۔

"ارے! یہ..... یہ تو پروفیسر عمران جاہ ہیں ..... انہیں تو انشارجہ میں ہونا چاہئے تھا؟"

"یہ ساری کہانی دراصل انہی کے گرد گھومتی ہے۔"

"اچھا خیر..... اب تو کہانی سن کر ہی پتا چلے گا۔"

وہ وی آئی پی لاؤنج میں آ گئے..... وہاں سے بھی انہیں ایک الگ کمرے میں لایا گیا..... یہاں کمانڈر انچیف نے انہیں ساری کہانی سنائی..... مارے حیرت کے ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ آخر وہ بولے۔

"اور ان کاغذات میں تھا کیا؟"

"پروفیسر عمران جاہ بتا سکتے ہیں۔"

"خیر..... لیکن آپ لوگوں کو یہ سودا نہیں کرنا چاہئے تھا..... میری پروانہ کرتے..... ملک کو کوئی اور صدر مل جاتا لیکن انشارجہ اگر بالکل ننگا ہو سکتا ہے تو اسے ننگا کر دینا چاہئے تھا۔" صدر صاحب نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن ہم نے سوچا..... کیوں نہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" فاروق مسکرایا۔

"ارے انسپکٹر جمشید کہاں ہیں؟"

"وہی تو رابل کے میک اپ میں انشارجہ گئے ہیں..... کاغذات لے کر۔"

"یہ..... یہ تم لوگوں نے کیا کیا..... کاغذات سمیت انسپکٹر جمشید کو وہاں پھنسا دیا؟"

"وہ نہیں پھنسیں گے سر!"

"کیسے..... کیسے نہیں پھنسیں گے؟" وہ بے چین ہو کر بولے۔

"ان کا طیارہ جب انشارجہ کے ائر پورٹ پر اترے گا..... تو اس میں سے انسپکٹر جمشید بر آمد نہیں ہوں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ راستے میں ہی ایک جگہ پیراشوٹ کے ذریعے اتر جائیں گے..... وہاں ان کی خفیہ فورس کے کچھ جوان موجود ہوں گے..... وہ انہیں لے کر واپسی کا سفر اختیار کریں گے..... بلکہ اب تو وہ واپس آ رہے ہوں گے۔"

"اوہ..... اوہ..... لیکن!" صدر صاحب حیرت زدہ سے بولے۔

"یہ لیکن کہاں سے ٹپک پڑا سر؟" محمود نے شوخ آواز میں کہا۔

"اس پائلٹ کا کیا بنے گا..... جو جہاز لے کر گیا ہے؟"

"ہم نے ایک غیر ملکی پائلٹ کا انتظام کیا تھا ..... اس نے بھاری معاوضہ لے کر یہ کام کرنے کی ہامی بھری ہے۔ ظاہر ہے غیر ملکی پائلٹ کا انشارجہ والے کیا بگاڑ لیں گے، جھنجلا کر اس کے ملک کے حوالے کر دیں گے اور بس۔"

"بہت خوب..... تم نے کمال کر دیا۔"

"اصل کمال تو پروفیسر عمران جاہ نے کیا ہے سر..... نہ یہ وہاں سے کاغذات اڑاتے ..... نہ یہ سب کچھ ہوتا۔"

"پروفیسر صاحب اب ذرا جلدی سے بتائیں..... ان کاغذات میں ہے کیا؟"

"یوں کیا خاک مزا آئے گا سر! انسپکٹر جمشید آ جائیں، اور پھر کاغذات بھی تو انہی کے پاس ہیں۔"

"اور شاید آپ لوگوں نے ایک بات کی طرف توجہ نہیں دی ہوگی۔"

"جی وہ کیا؟"

"اُدھر جب جہاز اترے گا اور اس میں سے رابل برآمد نہیں ہوگا تو وہ فوراً انسپکٹر جمشید کی تلاش شروع کر دیں گے کیونکہ وہ یہ جان جائیں گے کہ یہ سب کیا دھرا انسپکٹر جمشید کا ہے۔"

"وہ ایسا بھی نہیں کر سکیں گے ..... انسپکٹر جمشید نے ہر پہلو سے اس پروگرام کی منصوبہ بندی کی تھی ..... انہوں نے تو اس بات کا بھی خیال رکھا تھا کہ جب وہ فون پر رابل کے میک اپ میں انشارجہ والوں سے بات کریں گے تو وہ رابل سے کوڈ پوچھیں گے ..... لہٰذا انہوں نے اس غرض کے لئے رابل کو ہپناٹزم کے زیر اثر لیا اور اس سے کوڈ وغیرہ معلوم کئے۔"

"بہت خوب! لیکن اس بارے میں انہوں نے کیا کیا تھا؟"

"وہ جہاز سے ایسے مقام پر اتریں گے کہ ادھر جہاز انشارجہ کے ائر پورٹ پر اترے گا ادھر وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"اوہ! لیکن اس صورت میں تو انہیں یہاں ہونا چاہئے تھا۔"

"جی ہاں اور میں یہاں آ چکا ہوں..... اندر آنے میں ذرا دِقّت ہوئی ہے۔ کیونکہ ائر پورٹ کے حکام کو اس پروگرام کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا اور میرا حلیہ آپ دیکھ رہے ہیں کم از کم انسپکٹر جمشید نہیں لگ رہا..... ان لوگوں کو یہ یقین دلانے میں دیر ہو گئی کہ میں واقعی انسپکٹر جمشید ہوں۔"

"بہت خوب انسپکٹر جمشید..... مزا آ گیا..... میں تو تم پر جتنا بھی فخر کروں، کم ہے۔"

"لیکن سر! میرے خیال میں فخر پروفیسر عمران جاہ پر کرنا چاہئے۔"

"اور میں کہتا ہوں ہمیں ایک دوسرے پر

فخر کرنے کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ " پروفیسر بولے۔

" بالکل۔ " ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

" اور اب وہ کاغذات مجھے دکھاؤ۔ "

انسپکٹر جمشید نے کاغذات ان کے سامنے رکھ دیئے۔ پھر وہ سبھی ان پر جھک گئے۔ تحریر انگریزی میں تھی۔ اس کی سرخی تھی۔

" آئندہ سال کا پروگرام اسلامی ملکوں کے بارے میں۔ "

سرخی نے ہی انہیں چونکنے پر مجبور کر دیا...... اس کے بعد وہ آگے پڑھتے چلے گئے۔ ان کی حیرت، خوف اور انشارجہ سے نفرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس تحریر کی مختصر ترین اہم باتیں کچھ اس طرح تھیں۔

" پاک لینڈ کی موجودہ حکومت کا تختہ اس سال ابتدائی مہینوں کے اندر اندر الٹ دیا جائے گا۔ نئی حکومت ہماری مرضی کے عین مطابق ہوگی۔اس کی تفصیل یوں ہے۔

حکومت کے خلاف ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت عوامی پارٹی کو پچاس ارب ڈالر دیئے جائیں گے۔ اس رقم کی مدد سے یہ جماعت دوسری تمام سیاسی اور دینی جماعتوں کو اپنے ساتھ ملائے گی اور پھر حکومت کے خلاف تحریک شروع کرے گی۔ اس تحریک کے لئے بے تحاشہ اسلحہ بھی ہم دیں گے...... نتیجہ یہ نکلے گا کہ ملک میں خوب خون خرابہ ہوگا ...... اس خون خرابے کے نتیجہ میں ملک کو زبردست ترین نقصان پہنچے گا اور پھر مارشل لا لگ جائے گا۔ مارشل لا حکومت تین ماہ کے اندر انتخابات کرائے گی۔ نہ کرائے گی تو اس کا بھی ایک ماہ کے اندر اندر تختہ الٹ دیا جائے گا ...... مارشل لا کا تختہ الٹنے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ دوسرے درجے کے بڑے فوجی آفیسرز کو خریدا جائے گا۔ اس خرید و فروخت میں فوج کے اندر غیر ملکی لوگ مدد کریں گے جو پہلے ہی ہماری کوششوں سے فوج میں شامل ہیں۔ موجودہ حکومت سے یہ قانون ہم نے اسی لئے پاس کرایا تھا کہ فوج میں پانچ فیصد عیسائیوں کو بھی عہدے ملنے چاہئیں۔ اسی طرح جاپانی لوگ پہلے ہی فوج میں شامل ہیں۔ وہ ہماری ہر طرح پوری مدد کریں گے۔ ان کی مدد سے ہم چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ پھر نیا مارشل لا لگ جائے گا اور نیا مارشل لا ملک میں انتخابات کرائے گا اور ہمارے امیدواروں کو کامیاب کرائے گا اس کے بعد ہم ملک کے سیاہ اور سفید کے مالک ہوں گے۔

اسی طرح مسلمانوں کے مرکز پر بھرپور وار کیا جائے گا۔ ایک چھوٹے سے اسلامی ملک حلات پر ایک بڑے اسلامی ملک سے حملہ کرایا جائے گا...... چھوٹا ملک بڑے ملک کے قبضے میں

آ جائے گا..... لیکن اس کی مدد کے بہانے ہم بڑے ملک پر حملہ کریں گے اور مسلمانوں کے مرکز کی حکومت کو خوف دلائیں گے کہ بڑا اسلامی ملک حلات پر قبضہ کرنے کے بعد اب اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔لہٰذا ہمیں اس کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لئے اپنی سرزمین دے۔ اسلامی مرکز جو حد درجے کمزور پڑ چکا ہے اور جہاں کے لوگوں میں سپہ گری بالکل ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ انشارجہ کا یہ مطالبہ فوری مان گا اور اس طرح ہمیں مسلمانوں کے مرکز پر قبضہ کرنے کا موقعہ ملے گا۔

اسی طرح باز نطان کو اشارہ کیا جائے گا کہ وہ اپنے پڑوسی ملک پر حملہ کرے..... لیکن خفیہ طور پر ہم پڑوسی ملک کو ہر ممکن مدد دیتے رہیں گے..... باز نطان کی مدد بھی خفیہ طور پر کرتے رہیں گے ..... باز نطان اور دوسرا ملک ہمارا اسلحہ دھڑا دھڑ خریدے گا اور دونوں اسلامی ملک اس طویل جنگ سے حد درجے کمزور ہو جائیں گے..... اور پھر ہم ان کی کمزوریوں سے ان گنت فائدے اٹھائیں گے۔

انشارجہ اپنے دوست ملک بیگال کو فلسطینی ریاستوں پر مسلسل حملے کرنے کے لئے اسلحہ دیتا رہے گا..... تاکہ وہاں کے مسلمان کبھی بھی سر اٹھانے کے قابل نہ ہو سکیں۔

چاند کو تباہ کر دیا جائے گا۔ یہ ہمارا اسلام پر سب سے کاری وار ہو گا ..... چاند کو تباہ کرنے کی پوری تیاری کر لی گئی ہے ..... یہ خبریں پہلے ہی مشہور کر دی گئی ہیں کہ زمین سورج کی طرف جھک رہی ہے اور اگر اس کا جھکنا نہ روکا گیا تو زمین تباہ ہو جائے گی..... تمام بنی نوع انسان ہلاک ہو جائیں گے۔ لہٰذا زمین کو سورج کی طرف جھکنے سے روکنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ چاند کو ایٹمی ہتھیاروں کے ذریعے تباہ کر دیا جائے..... اور جب چاند تباہ ہو جائے گا تو ہم مسلمانوں سے پوچھیں گے کہ اب تم روزے کس طرح رکھو گے؟ عیدیں کس طرح مناؤ گے؟ دوسرے اسلامی کام کس طرح کرو گے، زکوٰۃ کس طرح ادا کرو گے؟ حج کس طرح کرو گے؟ ثابت ہوا ..... تمہارا مذہب سرے سے غلط ہے اور یہ ہماری مسلمانوں پر اس قدر بڑی فتح ہوگی کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا ہو گا۔

غرض اس سال دنیا کے اسلامی ملکوں میں ہل چل مچائی جائے گی اور پھر بھی ہم ان کے محسن کے محسن رہیں گے ..... مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد ہر اسلامی ملک ہم سے ہی مدد کا طلب گار ہو گا۔"

وہ پڑھتے چلے گئے۔ اس کے علاوہ ان گنت ہولناک تفصیلات تھیں اور یہ صرف ایک سال کا پروگرام تھا ..... گویا انشارجہ اسلامی ملکوں کے لئے ہر سال پہلے ہی پروگرام ترتیب دے لیتا تھا۔ منصوبہ سازی کر لیتا تھا، وہ

پڑھتے رہے، کانپتے رہے، لرزتے رہے ...... تقریباً ساٹھ صفحات پر مشتمل یہ تمام ہولناک منصوبے پڑھنے کے بعد ان پر بہت دیر تک سکتے کا عالم طاری رہا۔

"اف مالک ...... اگر یہ ریکارڈ آپ کے ہاتھ نہ لگتا تو ہم سب کا کیا بنتا؟" صدر صاحب کی لرزتی ہوئی آواز گونجی۔

"اصل بات یہ ہے سر...... کہ انشارجہ ہو یا وناس، بیگال ہو یا شاجستان، برٹائن ہو یا کوئی سا بھی غیر اسلامی ملک، یہ سب کے سب صرف اور صرف اسلامی ملکوں کو دشمن ہیں۔ مسلمانوں سے خوف زدہ ہیں۔ ڈرتے ہیں، اس بات سے کہ کہیں مسلمان پھر سے دورِ اوّل کے مسلمان نہ بن جائیں...... لٰہذا نت نئی سازشیں تمام مسلمان ممالک کے خلاف کرتے رہتے ہیں، لیکن افسوس ......" انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

"لیکن افسوس کیا جمشید؟" صدر صاحب بولے۔

"افسوس کہ تمام اسلامی ملک ایک نہیں ہو پاتے ...... تمام غیر اسلامی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف ایک ہیں، لیکن ہم ان کے خلاف کبھی بھی ایک نہیں ہوئے...... اگر ہو جائیں تو پھر یہ طاقتیں ہم مسلمانوں کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتیں، اسلامی ممالک ان بڑی طاقتوں سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے ایک بچہ کسی پولیس آفیسر سے ...... اور پھر ہم انہی سے اپنی تمام امیدیں وابستہ رکھتے ہیں۔ یعنی انشارجہ ہمیں امداد نہیں دے گا تو ہمارا کیا بنے گا ...... ہم کیا کریں گے...... یہ ہو جائے گا ...... وہ ہو جائے گا۔" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"گویا اب مجھے ٹی وی پر تمام دنیا کو یہ پروگرام پڑھ کر سنانا ہے۔" صدر صاحب بولے۔

"جی ہاں سر! آپ کو اسے پڑھنا ہے تاکہ تمام اسلامی ممالک بلکہ غیر اسلامی ممالک بھی جان لیں کہ انشارجہ کیا کر رہا ہے ...... اس کے عزائم کیا ہیں ...... اور اس حقیت کو جان جائیں کہ ان سب کی بچت ایک ہو جانے میں ہے...... جب تک اسلامی ملک ایک نہیں ہو جاتے ...... ایک دوسرے کا دکھ درد سگے بھائیوں کی طرح محسوس نہیں کرتے، اس وقت تک ہم اس قسم کی سازشوں کا شکار ہوتے رہیں گے، نقصان پر نقصان اٹھاتے رہیں گے ...... مصیبتیں برداشت کرتے رہیں گے اور پنپ نہیں سکیں گے...... ترقی نہیں کر سکیں گے...... ہمارے حالات جوں کے توں رہیں گے ...... پریشانیاں اسی طرح ہمارا مقدر بنی رہیں گی ...... ہم ان پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے بجائے انشارجہ کی طرف ہی دیکھتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی تو ہماری طرف نہیں دیکھے گا۔

ہماری مدد نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بھی تو ہماری مدد اسی وقت کرے گا جب ہم دوسروں کے بجائے صرف اور صرف اسی سے مانگیں گے۔ اس سے امید رکھیں گے..... نہ کہ اپنے وسائل بروئے کار لانے کے بجائے ہم ان کے رحم و کرم پر ہی رہیں گے ..... اور انہی سے بھیک مانگتے رہیں گے۔"

انسپکٹر جمشید کی آواز جذبات تلے دب گئی ..... ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چند لمحوں کے لئے کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔ وہ سکتے کے عالم میں بیٹھے رہ گئے۔

اسی شام صدر صاحب ٹی وی پر نہ صرف خطاب کر رہے تھے ..... بلکہ ان کا یہ خطاب پوری دنیا میں سنایا جا رہا تھا..... اس لئے کہ پہلے ہی خبریں ان ممالک تک پہنچا دی گئی تھیں۔ ان کے اس خطاب کو صرف مسلم ممالک ہی نہیں، غیر مسلم ممالک بھی سن رہے تھے، یہاں تک کہ یہ انشارجہ میں بھی سنا جا رہا تھا۔

انشارجہ کے تحریری پروگرام کو ثبوت کے طور پر ٹی وی پر دکھایا بھی جا رہا تھا اور صدر صاحب ساتھ ساتھ میں اس کو پڑھ کر سنا بھی رہے تھے..... تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ صدر صاحب نے یہ کہانی بھی سنائی کہ کاغذات ان تک کس طرح پہنچے..... ان تک پہنچنے کے لئے پروفیسر عمران جاہ اور انسپکٹر جمشید وغیرہ کو کیا کچھ پاپڑ بیلنا پڑے۔

یہ ساری کہانی اور ساری تفصیلات اور انشارجہ اور دوسرے نمبر کے بڑے بڑے غیر مسلم ممالک کا گھناؤنا پن پوری دنیا کے سامنے کھل کر آ گیا..... اور یہی پروفیسر عمران جاہ چاہتے تھے۔ یہ پیغام ان سب نے اکٹھے بیٹھ کر سنا تھا ..... اختتام پر پروفیسر عمران جاہ کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو چھلک پڑے۔

"میں ..... میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔"

"صرف آپ نہیں ..... ہم سب ..... اور اب اللہ کرے ..... ہمارا پورا ملک اور دوسرے تمام اسلامی ملک وقت کی نبض پر ہاتھ رکھیں، نزاکت کو محسوس کریں ..... اور اسلام دشمن طاقتوں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے بجائے ..... ان کے سامنے ڈٹ جائیں ..... کم از کم ان سے بھیک مانگنا ہی بند کر دیں۔ اگر ہم صرف یہ ایک کام ہی کر گزریں تو اس قسم کی ان گنت سازشوں سے بچ سکتے ہیں ..... ورنہ یہ ایک سازش ہے جو پکڑی گئی ..... یہ طاقتیں تو ایسی سازشیں ہر روز تیار کرتی ہیں۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"اور اس کے ساتھ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام اسلامی ممالک کو عقل عطا فرما دے۔ وہ آپس کے تمام اختلافات کو بھلا دیں۔" محمود بولا۔

"آمین۔" سب ایک ساتھ بولے۔

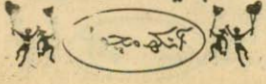

عین اس وقت باہر بہت سی گاڑیوں کے رکنے کی آواز سنائی دیں۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے، یہ کون لوگ آ رہے ہیں؟" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"کک ..... کہیں کوئی نیا کیس تو شروع ہونے والا نہیں؟" محمود بولا۔

"ارے باپ رے ..... ابھی تو ہم فارغ ہو کر سانس بھی نہیں لینے پائے۔"

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیسوں کا اور ہمارا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی ہاں یہ تو ہے ..... لیکن ..... درمیان میں کوئی وقفہ تو ہونا ہی چاہئے۔ آخر ہمیں گھر جا کر امی جان کو شکل بھی تو دکھانا ہوتی ہے ..... وہ بے چاری تو ہمارے لئے کھانا گرم کرتے کرتے تھک جاتی ہیں اور کھانا گرم ہوتے ہوتے تھک جاتا ہے۔" فاروق جلدی جلدی بولا۔

"مان گئے بھئی مان گئے کہ درمیان میں وقفہ بہت ضروری ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اسی وقت بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ انہوں نے دیکھا ..... بہت سے اخباری نمائندے اور فوٹو گرافرز چلے آ رہے تھے۔

"ارے باپ رے ..... آگئی شامت۔"

دوسرے ہی لمحے وہ اخباری رپورٹرز کے گھیرے میں تھے اور ان کے تابڑ توڑ سوالات کے جوابات بوکھلائے بوکھلائے انداز میں دے رہے تھے۔ اور فوٹو گرافرز اپنا کام کر رہے تھے۔ ان سے اس قدر سوالات کئے گئے کہ انہیں ..... اپنا دماغ خالی محسوس ہونے لگا۔

"آپ لوگ مہربانی فرما کر کچھ تو ہمارے دماغوں میں بھی رہنے دیں ..... آخر ہمیں اور کیس بھی حل کرنے ہیں ..... وہ ہم کس طرح کریں گے ..... اگر دماغ آپ لوگوں نے بالکل خالی کر دیئے۔"

فاروق نے معصومانہ انداز میں جلدی جلدی کہا۔ سب لوگ اس کی بات کو سن کر مسکرا دیئے۔ لیکن سوالات کا سلسلہ تو اب بھی ختم نہیں ہوا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے آج کی تاریخ میں ختم ہو گا بھی نہیں۔ ■

روتا ہوا مینار

ترکی کی ایک مسجد میں ایسا مینار ہے جس کی چوٹی سے چوبیس گھنٹے پانی کے قطرے گرتے رہتے ہیں۔ وہاں کے بہت سے لوگ اس مینار کا پانی اپنے گھروں میں لے جاتے ہیں۔ پانچ سو سال گزرنے کے باوجود پانی کے قطرے بدستور گرتے رہتے ہیں۔ یہ راز آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔

مرسلہ ..... محمد عمر سومرو، خیرپور سادات

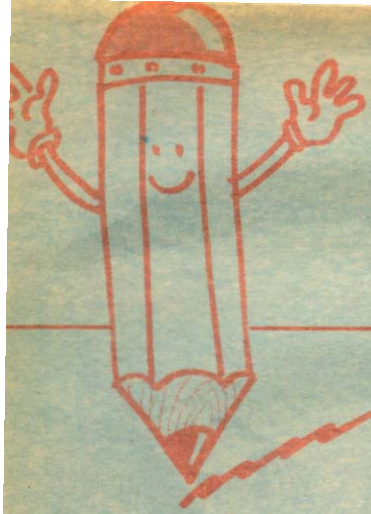

قلم دوست

ان کی تحریریں جو ادیب بنا چاہتے ہیں

کرنیں

کامران احمد ادیب
حیدر آباد

ایک مرتبہ ایک شخص حضورؐ کے پاس آیا اور عرض کی:
"یارسول اللہ! میرا جی چاہتا ہے کہ میں جنّت میں جاؤں مجھے بتایئے کہ میں کیا عمل کروں؟"
حضورؐ نے فرمایا: "سچ بولو کیونکہ جب آدمی سچا ہوتا ہے تو نیکی کرتا ہے اور جب نیکی کرتا ہے تو اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا ہوتی ہے اور جب اسے ایمان نصیب ہوتا ہے تو وہ جنّت میں داخل ہوگا۔"

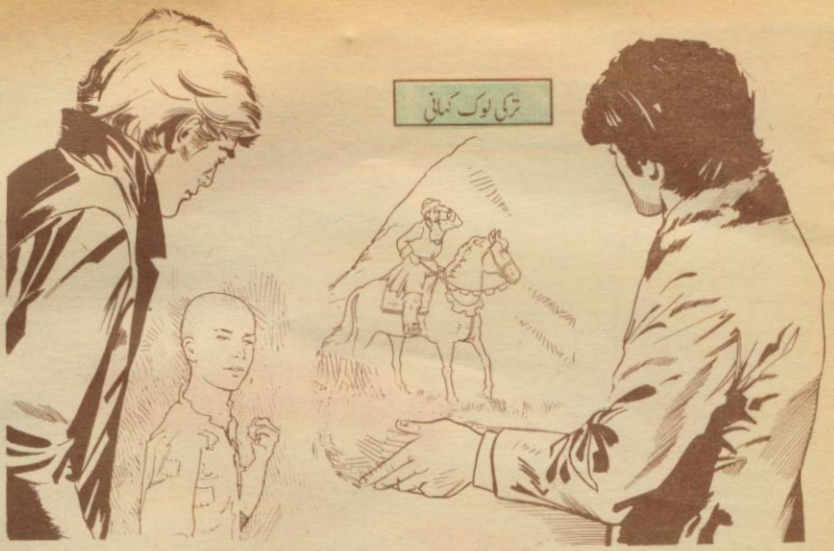

کیل اوغلان اور طلسمی بال

مرتضیٰ رضوی، کراچی

کیل اوغلان کی یہ کہانی ترکی میں بچوں کے لوک ادب سے منتخب کی گئی ہے جو اتاترک کلچرل مرکز انقرہ نے شائع کیا ہے۔

"کیل اوغلان" ترکی کی لوک کہانیوں کا ایک مقبول کردار ہے۔ یہ ایک ایسا لڑکا ہے۔ جو پیدائشی گنجا ہے لیکن اپنی معمولی صورت اور مضحکہ خیز حلئے کے باوجود بہت ذہین اور ہوشیار ہے۔

پرانے زمانے کی بات ہے ایک گنجے سر والا لڑکا تھا، جس کا نام کیل اوغلان تھا۔ کیل اوغلان کے دو بڑے بھائی بھی تھے، جن کا خاص مشغلہ اپنے چھوٹے بھائی کو ہر وقت دوڑاتے رہنا تھا، ہر وقت اس پر حکم چلاتے رہتے۔

"کیل اوغلان! اصطبل کی صفائی کرو!" پہلا حکم دیتا۔

"پانی لے کر آؤ کاہل آدمی!" دوسرا گرج کر کہتا۔

کیل اوغلان اپنے بھائیوں کے برے رویئے کے باوجود ہر کام خوشی سے کر دیا کرتا۔

ایک دن کیل اوغلان کنوئیں سے پانی بھر رہا تھا کہ اس نے اعلان سنا۔ ڈھنڈورچی کہہ رہا تھا۔

"سنو سنو! بادشاہ سلامت کی حسین بیٹی نے اعلان کیا ہے کہ وہ اس گھڑ سوار سے شادی کرے

لی جو بہت چاق و چوبند، پھرتیلا اور حاضر دماغ ہو گا اور شہزادی جو حکم دے گی وہ کام کرے گا۔ اس مقابلے میں ہر آدمی شرکت کر سکتا ہے۔ جو شخص شہزادی سے شادی کرنے کا خواہش مند ہو وہ اگلے پیر کو مقابلے میں شرکت کرنے بادشاہ کے محل پہنچ جائے۔"

"کیا آپ نے ڈھنڈورچی کا اعلان سُنا؟" اس نے گھر آ کر اپنے دونوں بھائیوں سے پوچھا۔

"ہاں ہاں سن لیا بے وقوف لڑکے! یہ خبر کس نے نہ سُنی ہوگی!" ایک نے جواب دیا۔

اگر آپ وہاں جا رہے ہیں تو مجھے بھی ساتھ لے جایئے گا میں بھی مقابلہ دیکھ لوں گا۔" کیل اوغلان نے آہستہ سے کہا۔

"مگر تم وہاں جا کر کیا کرو گے؟ اگر صرف دیکھنے سے صلاحیت حاصل ہو جائے تو ہر گدھا عقلمند بن جائے۔" یہ کہہ کر دونوں بھائیوں نے حکم دیا کہ وہ ان کے لباس تیار کرے۔

پیر کے دن اوغلان نے گھوڑوں پر زینیں کسیں اور اپنی بھائیوں کے کپڑے تیار کر دیئے۔ پھر ان کے جانے کے بعد اس نے خود بھی وہاں جانے کا فیصلہ کیا، اس نے اپنی جیب سے تین بال نکالے۔ ان میں سے ایک سفید تھا دوسرا بھورا۔ اور تیسرا کالا۔

"جس بوڑھے نے یہ بال مجھے دیئے تھے اس نے کہا تھا کہ اگر میں کسی بھی رنگ کے بال کو رگڑوں گا تو اسی رنگ کا گھوڑا لباس، اور پگڑی نمودار ہوگی۔ کوشش کر کے دیکھتے ہیں۔" کیل اوغلان بڑبڑایا۔ پھر اس نے سفید بال کو رگڑا اچانک وہاں ایک سفید گھوڑا نمودار ہوا جس پر سفید لباس اور پگڑی موجود تھی۔ اس نے لباس اور پگڑی پہنی اور گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ وہ اپنے بھائیوں سے کافی پہلے محل میں پہنچ چکا تھا۔

بادشاہ کی بیٹی بہت حسین تھی۔ اس نے اعلان کیا۔

"جو شخص مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اسے میرے والد کے محل کے پیچھے گہری کھائی کو اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر پار کرنا ہو گا۔"

ایک ایک کر کے ملک کے بہترین اور ماہر ترین گھڑ سوار آتے رہے مگر اپنی مہارت اور مشاقی کے باوجود سب ناکام ہو گئے۔ کھائی ان کی امید سے زیادہ چوڑی تھی۔ اب کیل اوغلان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑے نے ایک ہی جست میں کھائی پار کر لی بلکہ کھائی سے کافی آگے جا کر گرا۔

"سفید گھوڑے والے نے مقابلہ جیت لیا۔ شہزادی اس کی ہوئی۔" بادشاہ کے ڈھنڈورچی نے اعلان کیا۔

اس دوران کیل اوغلان گھر پہنچ گیا۔ جب اس کے بھائی واپس گھر پہنچے تو اوغلان نے ان کے گھوڑوں کی زینیں کھولیں اور پوچھنے لگا۔

"مقابلہ کیسا رہا؟" اس دوران وہ گھوڑوں کی مالش بھی کر رہا تھا۔

"اوہ! اگر تم وہاں ہوتے تو تم بھی لطف اندوز

ہوئے۔ "بڑے بھائی نے جواب دیا۔ "ذرا سوچو تو سفید گھوڑے والے نے تقریباً اڑتے ہوئے کھائی پار کر لی۔"

"تو کیا اس نے شہزادی کو جیت لیا؟"

"نہیں نہیں وہ تو مقابلہ ختم ہوتے ہی غائب ہو گیا تھا۔" دوسرے بھائی نے جواب دیا۔ "اس لئے کل پھر مقابلہ ہو گا۔"

گڑیا

افشاں بشیر کراچی

افریقہ سے آئے ماموں
میری گڑیا لائے ماموں

بال سنہرے آنکھیں نیلی
موزے کالے شرٹ ہے پیلی

چوں چوں بولے منہ بھی کھولے
ٹنگ کرو تو اوں اوں رولے
اگر اکیلی کہیں میں جاؤں
پھر اس کو غصے میں پاؤں
روٹھی رانی بن جاتی ہے
لیکن جلدی من جاتی ہے
پیار بہت ہے اس کو مجھ سے
سوتی ہے سینے سے لگ کے

ہے یہ پیاری پیاری گڑیا
میری راج دلاری گڑیا

کوشش

ایم۔ اعجاز احمد، کراچی

کہانی لکھنے کا شوق ہمیں بہت ساری کہانیاں پڑھنے کے بعد ہوا تھا اور پھر ایک عدد کہانی (جو زبردست تھی ہمارے خیال میں) ہم نے بھی لکھ ڈالی تھی، اب اصل مسئلہ اسے چھپوانے کا تھا۔ ہم نے کہانی ایک عدد لفافے میں بند کی، لفافے پر پرفیوم کا زبردست اسپرے کیا اور آنکھ مچولی کے دفتر چل دیئے۔ دفتر پہنچ کر ہم سیدھے ایڈیٹر صاحب کے کمرے میں پہنچے۔ ایڈیٹر صاحب ہاتھ میں قلم لئے جیسے ہمارے ہی منتظر بیٹھے تھے۔

"میں اندر..... آسکتا ہوں جناب؟" ہم نے ان کے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت مانگی جو انہوں نے بخوشی دے دی۔ (شائد وہ بھانپ چکے تھے کہ ہم مستقبل کے ایک زبردست ادیب بننے کی کوششوں میں مصروف ہیں)

"السلام..... ع..... ی..... لیکم۔" ہم نے اٹکتے ہوئے انہیں سلام کیا تو انہوں نے ہمارے سلام کا نہ صرف جواب دیا بلکہ اپنی کرسی سے اٹھ کر بڑی بیزاری سے ہم سے ہاتھ بھی ملایا۔ (حالانکہ ہمیں پتہ تھا... ایڈیٹر صاحب اپنے رشتہ داروں سے ہی ہاتھ ملاتے ہیں)

جی فرمایئے! کیسے آنا ہوا؟" جب ہم کرسی پر بیٹھ گئے تو انہوں نے جیسے مجبوراً خوش مزاجی سے پوچھا۔

"سر وہ میں وہ جی میں۔" ہم نے بھول بھلیاں شروع کر دیں۔ "بھئی آپ گھبرا کیوں رہے ہیں۔ کوئی نہیں مارے گا آپ کو۔" انہوں نے بیزاری سے کہا تو ہماری ہمت اور ٹوٹ گئی۔

"وہ سر جی میں نے ایک کہانی تحریر کی ہے۔ آپ کے پرچے کے لئے ذرا دیکھئے تو کیا یہ قابل اشاعت ہے؟" ہم نے اپنی کہانی کا پلندا (جو ہم نے پورے پندرہ دنوں میں مکمل کیا تھا) ایڈیٹر صاحب کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ اتنا سارا پلندا دیکھنے کے بعد انہوں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ "یہ کہانی ہے یا آپ نے ناول لکھا ہے۔"

پھر کہانی کو کچھ دیر پڑھنے کے بعد ایڈیٹر صاحب

سوچ میں پڑ گئے اور پھر ان کے لب ہلے۔ "آپ ایسا کریں اپنی یہ کہانی ہمارے پاس چھوڑ جائیں۔"

"لیکن جناب! آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ یہ قابل اشاعت ہے یا ناقابل اشاعت۔"

"یہ ہم آپ کو خط کے ذریعے بتا دیں گے آپ نے اپنا مکمل پتہ تو لکھا ہے ناں کہانی پر۔" ایڈیٹر صاحب نے کہا تو ہم نے اثبات میں گردن ہلا دی اور گھر چلے آئے۔ چند ہی دنوں بعد ایڈیٹر صاحب کا خط ڈاکیا لے کر آیا جس پر تحریر تھا۔

"آپ کا مطالعہ ابھی بہت کم ہے۔ پھر آپ نے جو کہانی لکھی ہے وہ بہت طویل ہے۔ اصل پیغام جو آپ بچوں تک پہنچانا چاہتے ہیں اس کا بھی آپ نے خیال نہیں رکھا ہے۔ آپ فی الحال اچھی اچھی کہانیوں کا مطالعہ کریں پھر مختصر تحریریں لکھنے کی کوشش کریں اور ہاں اپنے املا کی درستگی پر ضرور توجہ دیں کیونکہ آپ نے الفاظوں کی بے پناہ غلطیاں کی ہیں۔"

اب اس سے آگے ہم میں پڑھنے کی ہمت نہ تھی چنانچہ کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ڈولتے ڈولتے ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ایڈیٹر صاحب کو محنت کے ذریعے ایک دن ادیب بلکہ میرزا ادیب بن کر دکھائیں گے۔"

طلحٰہ کی گائے

سیّد محمد طلحٰہ، راولپنڈی

طلحٰہ نے اک گائے پالی
سیدھی سادی بھولی بھالی
آنکھیں اس کی موٹی موٹی
صورت اس کی پیاری پیاری
رنگت اس کی بھوری سی
دُم ہے اس کی چھوٹی سی
پانی پیتی، چارہ کھاتی
سب کو ہے وہ دودھ پلاتی
طلحٰہ نے اک گائے پالی
چھوٹے چھوٹے سینگوں والی

بلا عنوان

کاشف بشیر کاشف

"بکرا چوری ہو چکا ہے۔" نبیل نے گھر میں داخل ہوتے ہی پریشان لہجے میں کہا تو سب سناٹے میں آ گئے۔ "کیسے چوری ہو گیا؟" ابا جان نے غصہ سے پوچھا۔

"وہ ...... وہ ...... مم ...... مم ...... میں ...... میں ......"

"ابے! کیا "میں میں" لگا رکھی ہے۔ سیدھی طرح کیوں نہیں بتاتا بکرا کہاں ہے؟" ابا جان کا غصہ بڑھنا شروع ہو گیا تھا۔

"وہ ...... وہ میں بکرے کو چارہ ڈالنے گیا تھا تو وہاں موجود تھا لیکن پھر جب میں کچھ دیر بعد اس کے لئے پانی لے کر گیا تو وہ غائب تھا۔ کوئی اس کی رسی کھول کر لے گیا۔" ڈرتے ڈرتے نبیل نے بتایا۔

"کیسے لے گیا؟ غضب خدا کا ...... دن دھاڑے چوری!" اس بار امی بھی پیچھے نہ رہ سکیں۔

"غفلت کا مظاہرہ کرنے پر پہلے تو نبیل صاحب کے ابو نے کان کھینچے لیکن جب کان کوشش کے باوجود بکرے کے کانوں جیسے نہ ہوئے تو ابو نے اعلان کر دیا کہ جب تک بکرا نہیں مل جاتا کوئی گھر واپس آنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ بھیانک اعلان سن کر ہم سب کی سٹی گم ہو گئی۔ بہر حال سٹی کو ڈھونڈا اور پھر ہم سب بہن بھائی بکرے کی تلاش میں نکل گئے۔

سارے محلے میں بکرا کو تلاش کیا۔ بکرے تو

ت سارے ملے لیکن کوئی اپنے بکرے جیسا نہ ا۔ بکرا تلاش کرتے کرتے آخر شام ہو گئی۔ اس قت ہم لوگ ایک خانہ بدوش بستی کے قریب تھے پانک عاصمہ چیخ کر بولی۔ "وہ رہا بھائی جان اپنا را!" سب نے نگاہیں دوڑائیں تو بکرا ایک خیمے ے دروازے کے قریب بندھا بڑے مزے سے گالی کرتا نظر آیا۔ ہم سب بھاگ کر خیمے کے یب جا پہنچے۔

ابھی اپنے بکرے کو ہم پیار کر ہی رہے تھے کہ ے کا پردہ ہٹا اور ایک کالا بھجنگ شخص باہر نکلا۔ کون ہو تم لوگ؟ کیا کر رہے ہو یہاں؟" اس نے کرخت لہجے میں پوچھا۔ "یہ بکرا ہمارا ہے۔ ا بکرا لینے آئے ہیں ہم لوگ یہاں!" نبیل ہاتھ ا کر بولا۔

"جھوٹ بکتے ہو تم یہ بکرا تمہارا کیسے ہو گیا یہ تو برا ہے۔"

بھجنگ آدمی نے غصے سے کہا تو ہمیں بھی غصہ گیا۔ "ایک تو تم نے ہمارا بکرا چرایا اور اب ہمیں ھوٹا بھی کہہ رہے ہو۔" نبیل چیخ کر بولا۔ رابعہ ی پھٹ پڑی۔ "ایک تو چوری اور اوپر سے سینہ وری۔"

"او لڑکی! مجھے چور نہ کہنا۔ میرا نام پھکرو ے پھکرو۔" بھجنگ آدمی چلآیا۔ عین اسی قت خیمے کا پردہ اٹھا اور ایک پولیس کا سپاہی خیمے ے باہر آیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے ہم سب بچوں کا بغور جائزہ لینے کے بعد پوچھا۔

"جناب یہ بکرا ہمارا ہے یہ کلّو چور ہمارا بکرا چرا کر لے آیا ہے اور اب اسے اپنا بتا رہا ہے۔" نبیل نے تقریباً چیختے ہوئے سپاہی سے کہا۔

"جھوٹ بولتا ہے سرجی یہ بکرا میرا ہی ہے کل ہی منڈی سے خریدا ہے میں نے۔"

"اوئے تم بچہ لوگ جھوٹ بولتے ہو۔ ایک شریف آدمی پر چوری کا الزام لگاتے ہو۔" سپاہی ہم بچوں پر ہی گرم ہونے لگا۔

"نہیں سرجی! یہ بکرا ہمارا ہی ہے دیکھئے ہم نے اس کی پیٹھ پر مہندی سے عید مبارک لکھا تھا اور یہ دیکھئے رابعہ نے مذاق میں نبیل کا نام بھی اس کی پیٹھ پر لکھ دیا تھا۔ یہ تو صاف نظر آ رہا ہے۔" ہم نے جلدی سے کہا تو اتنی ہی جلدی سے کالا بھجنگ آدمی سپاہی سے بولا۔ "اوجی نام تو میرا نبیل ہے۔ میں نے اپنا نام خود لکھا ہے بکرے پر۔"

"لیکن تمہارا نام تو پھکرو ہے۔" رابعہ چلائی۔

"اوجی وہ تو میرا پیار کا نام ہے۔" پھکرو مکاری سے بولا۔ پھر اس نے سپاہی کو آنکھ ماری تو سپاہی غصے سے ہم بچوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"چور تو تم لوگ نظر آتے ہو بھاگو یہاں سے ورنہ بند کر دوں گا جیل میں۔" اتنا کہہ کر سپاہی نے ہمارے بکرے کا کان پکڑا اور اسے اٹھا کر قریب کھڑی سوزوکی گاڑی میں ڈال دیا۔ پھر اس کالے بھجنگ پھکرو سے کہا۔ "ایسا ہی ایک اور

صحت مند بکرا تھانے پہنچا دینا ..... تھانے دار صاحب کے لئے۔"

"آپ پھکر ہی نہ کریں صاب جی۔ ہم تو آپ کے خادم ہیں۔" چور پھکرو نے سپاہی سے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تو ہم سب بچے رونی صورت بنائے قانون اور جرم کی دوستی سکتے کے عالم میں دیکھنے لگے.....!!!

اسکول جائیں

عبداللہ عرف شہزاد گل، پشاور

آؤ ہم اسکول کو جائیں
یعنی سیدھی راہ پہ آئیں
پڑھ کر عزت شہرت پائیں
کچھ کر کے ہی کچھ بن جائیں
آؤ! ہم اسکول کو جائیں

پڑھنا لکھنا کام ہمارا
اونچا ہوگا نام ہمارا
علم کی دولت خوب کمائیں
سب کو سیدھی راہ دکھائیں
آؤ! ہم اسکول کو جائیں

علم نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے
علم سے روشن اپنی جبیں ہے
آؤ بچو! عہد کریں ہم
علم سے دامن اپنا بھریں ہم
آؤ! ہم اسکول کو جائیں

ایک کہانی

خالد، کلفٹن ۔ کراچی

ایک دن ہوا یوں کہ ہمارا خط اتفاق سے ایک رسالے میں چھپ گیا۔ اوّل تو ہمیں اس کی اُمید ہی نہیں تھی، لیکن جب ہم نے رسالے میں اپنا خط

دیکھا تو ہم خوشی سے پھولا نہ سمائے اور دوڑ کر اپنے گھر والوں کو دکھایا۔ گھر والوں نے رسالے میں ہمارا خط چھپا دیکھا تو ہماری خوب تعریف کی۔ اس تعریف سے ہم اپنے آپ کو بہت بڑا ادیب بلکہ مرزا ادیب سمجھنے لگے اور ہم پر کہانی لکھنے کا جن سوری! جنون سوار ہو گیا، رات ہوئی تو کھانا کھا کر اسٹڈی روم میں کہانی لکھنے بیٹھ گئے لیکن کہانی گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب تھی۔ یہ اور بات ہے کہ آج کل لندن کے چڑیا گھر میں ایک ایسا جانور پایا جاتا ہے جو گدھے سے ملتا جلتا ہے اور اس کے سر پر سینگ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن فی الحال ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ کیوں کہ کہانی لکھنی تھی۔ بہت سوچ بچار کے بعد ہم نے ایک کہانی لکھی جو کچھ یوں تھی:

"علی ایک بہادر لڑکا تھا۔ اس کے پاس ایک سائیکل تھی جو بہت تیز چلتی تھی۔ ایک دن وہ اپنی سائیکل پر سوار کہیں جا رہا تھا کہ چالیس موٹر سائیکل سوار بڑی تیزی سے اس کے سامنے سے گزرے۔ علی کو وہ لوگ مشکوک لگے۔ اس نے ان کا پیچھا کیا۔ وہ لوگ جنگل میں چلے گئے۔ علی بھی ان کے پیچھے لگا رہا اور ایک درخت کے پیچھے چھپ کر اس نے دیکھا کہ وہ لوگ ایک بڑے سے غار کے پاس کھڑے ہیں۔ ان کے سردار نے لال رنگ کا ایک بٹن دبایا تو غار کا دروازہ ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ چالیس موٹر سائیکل سوار غار کے اندر چلے گئے۔ ان کی موٹر سائیکلوں پر کسی چیز سے بھرے تھیلے لدے ہوئے تھے۔ دراصل یہ لوگ چالیس ڈاکو تھے۔ چوریاں کرنا اور بینکوں کو لوٹنا ان کا کام تھا۔ اس وقت وہ شہر کے ایک بڑے بینک کو لوٹ کر آئے تھے۔ جب انہوں نے تھیلوں میں بھرے نوٹ نکال کر اپنے ٹھکانے یعنی غار میں

محفوظ کر دیئے تو غار سے باہر نکل آئے۔ ان کے سردار نے ہرا بٹن دبایا تو غار کا دروازہ ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ بند ہو گیا۔ اس کے بعد تمام ڈاکو اپنی موٹر سائیکلیں اسٹارٹ کر کے چلے گئے شاید کوئی نیا بینک لوٹنے۔ چالیس ڈاکوؤں کے جانے کے بعد علی درخت کے پیچھے سے نکلا۔ اس نے غار میں لگا مُنّا سا سرخ بٹن دبایا تو غار کا دروازہ کھُل گیا۔ علی غار کے اندر داخل ہوا تو دیکھا، غار کے اندر برقی قمقمے جل رہے تھے۔ ان کی روشنی میں علی کو بے شمار نوٹوں سے بھری بوریاں نظر آئیں۔ نوٹ ہی نوٹ سو، پچاس، پانچ سو اور ہزار کے بے شمار نوٹ۔ اتنی ساری دولت دیکھ کر علی خوشی سے پاگل نہیں ہوا کیوں کہ وہ علی بابا نہیں تھا۔ علی بابا تو اس کے خیال میں لالچی شخص تھا جو چالیس چوروں کی ساری دولت خود ہڑپ کر گیا تھا اگر وہ چاہتا تو ساری دولت حکومت کے خزانے میں جمع کرا دیتا اور حکومت وہ دولت لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتی اس طرح دولت لوگوں میں تقسیم ہوتی اور ملک میں کوئی بھی غریب باقی نہ رہتا۔

علی نیک اور بہادر لڑکا تھا اس نے غار میں سے ایک نوٹ کو بھی ہاتھ نہ لگایا۔ اس کے خیال میں یہ سارا لوٹا ہوا پیسہ قوم کی امانت تھا۔ "میں قوم کو اس کی امانت واپس لوٹاؤں گا۔" اس نے سوچا اور پھر اس نے سبز بٹن دبا کر غار کا دروازہ بند کر دیا اور شہر کے قریبی تھانے میں پہنچ گیا۔ اس نے تھانیدار کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ پہلے تو تھانیدار کو یقین ہی نہ آیا لیکن جب علی اسے پولیس کے جوانوں کے ساتھ غار میں لے گیا تو تب اسے یقین کرنا پڑا۔ اتنی ساری دولت دیکھ کر تھانیدار کی رال ٹپک پڑی۔ وہ پہلے ہی بہت رشوت کھاتا تھا۔ اب سوچنے لگا کہ یہ سارا پیسہ یہ ساری دولت حکومت کے خزانے میں جمع کرنے کے بجائے اکیلا خود ہی ہڑپ کر جائے۔ "یہ دولت سرکاری خزانے میں نہیں بلکہ ہماری جیبوں میں جائے گی۔" تھانیدار نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔ "اوئے! اس لڑکے کو یہاں سے بھگا دو۔ سپاہیوں نے علی کو غار سے اٹھا کر باہر پھینک دیا اور.... نوٹوں کی بوریاں اٹھانے غار کے اندر بڑھ گئے۔ علی کو ان کی لالچ پر بے حد غصہ آیا اس نے غار کا سبز بٹن دبایا تو غار کا دروازہ ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ بند ہو گیا۔ علی گھر واپس آ گیا تھانیدار اور اس کے سپاہیوں کو لالچ کی سزا مل گئی۔"

جب ہم نے کہانی لکھ لی تو کئی بار پڑھا کہ کوئی غلطی تو نہیں رہ گئی اور جب کوئی غلطی نظر نہ آئی تو رسالے کو دفتر کو پوسٹ کر دی اور اس کے چھپنے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دنوں بعد رسالے کے دفتر سے ایک خط آیا۔ ہم خوش ہو گئے کہ ایڈیٹر صاحب نے ہماری زبردست کہانی کی عن قریب چھپنے کی خوش خبری سنائی ہو گی لیکن جب خط پڑھا تو لکھا تھا: "خالد صاحب! آپ نے علی بابا چالیس چور کی کہانی کا جو حشر نشر کیا ہے اگر علی بابا اور چالیس چور زندہ ہوتے تو وہ آپکی کہانی چھاپنے کے بجائے غار کے دروازے پر آپ کو چھاپ دیتے۔

زمین کے خزانے

عبدالعلی فاروقی (شیخو)

جس زمین پر ہم رہتے ہیں اس کے باہر قسم قسم کی رنگ برنگی چیزیں نظر آتی ہیں۔ جن سے ہم فائدے بھی اٹھاتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ زمین اپنے اندر..... بہت سے خزانے چھپائے ہوئے ہے۔ قیمتی جواہرات، نیلم، زمرد، سونا چاندی، تیل، پٹرول، کوئلہ، گیس، یورینیم اور بھی بہت کچھ۔

کئی سال پہلے زمین میں بڑے بڑے پودے دلدلوں میں پھنس کر دب گئے تھے۔ زمین کی شکل بدلی تو دلدلیں چٹانیں بن گئیں۔ یہ چٹانیں سمندر کے نیچے دب گئیں پھر کئی برس گزر گئے تو چٹانیں اوپر اٹھیں اور زمین پر بڑے بڑے پہاڑ بن گئے۔ دلدلیں اور درخت نیچے زمین میں ہی پھنسے رہے اور زمین پر دباؤ بڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنی شکلیں بدلتے رہے۔ پھر اسی سے زمین میں کالا کالا گاڑھا سیال مادہ بن گیا جی ہاں پیٹرول جس سے آج ہوائی جہاز، پانی کے جہاز اور گاڑیاں چلتی ہیں یہ پیٹرول اور تیل آج ہمارا ایندھن ہے۔

تیل تہہ دار چٹانوں میں ملتا ہے۔ اس کے قریب پانی ہوتا ہے اور گیس بھی ہوتی ہے۔ تیل حاصل کرنے کے لئے جب زمین کھودی جاتی ہے تو گیس کے زور سے تیل باہر آجاتا ہے۔ کالا کالا کوئلہ بھی زمین کے اندر ہوتا ہے جو "شیل" اور "سلیٹ" کی تہوں میں پھنسا ہوتا ہے۔ یہ وہی درخت اور پودوں سے بنا ہے جو کئی سو سال پہلے زمین میں دب گئے تھے۔ آج بھی آپ دیکھیں کہ

کوئلہ جب ٹوٹتا ہے تو اس پر "پتے" کا نشان صاف نظر آتا ہے۔ زمین کے سب سے بیچ کے حصے میں خالص لوہا ہوتا ہے لیکن سطح کے قریب یہ آپ کو کبھی خالص نہیں ملے گا۔ اسے زمین سے نکالنا بڑا مشکل کام ہے۔ کیونکہ یہ مختلف چیزوں سے ملا ہوتا ہے۔ "تانبا" جو کہ ایک مفید دھات ہے اور برقی چیزوں کے بنانے میں کام آتا ہے اس میں "جست" شامل کی جائے تو پیتل بن جاتا ہے۔ تانبے اور جست میں "ٹین" کی آمیزش کی جائے تو "کانسی" تیار اسی طرح ایلومینیم (چینی مٹی جیسی چیز) سے ایلومینیم بنتا ہے جو بہت ہلکا لیکن بہت مضبوط ہوتا ہے۔ ٹین کے برتن میں لوہے کی آمیزش کی جاتی ہے تاکہ ٹین کے برتن میں کھانا خراب نہ ہو۔ اسی طرح کرومیم میں لوہا شامل کر دیا جائے تو اس سے اسٹین لیس اسٹیل بنتا ہے۔ یہ موٹر کے لئے استعمال ہوتا ہے اور آجکل رزمرہ کے استعمال کے برتن اور دیگر اشیا اسی سے تیار کی جارہی ہیں۔

زمین کے اندر ایک زبردست خزانہ اور ہے جو کئی چٹانوں میں پایا جاتا ہے۔ جی ہاں یہ "یورینیم" ہے جس سے بے پناہ ایٹمی طاقت حاصل کی جاتی ہے۔ پاکستان کے ایک ذہین سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے یورینیم پر تحقیق اور تجربات کے ذریعے اس کی پیچیدگیوں کو آسان بنا دیا ہے جس پر ایک دنیا حیران ہے۔

قدرت نے پاکستان کی سرزمین کے اندر بہت سے قیمتی خزانے چھپائے ہوئے ہیں۔ نیلم، زمرد، تیل، پیٹرول، کوئلہ، گیس، یورینیم اور زمین کے باہر ڈاکٹر عبدالقدیر، ڈاکٹر عبدالسلام اور ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی جیسے قیمتی خزانے جو ملک کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ خزانے آپکے ذہن میں بھی چھپے ہوں گے۔ ملک و قوم کی ترقی و خوشحالی کے لئے انہیں آپ کو باہر لانا ہوگا..... کب لا رہے ہیں باہر..... اپنے خزانے آپ؟؟

مرسلہ

مولا بخش، کراچی۔

○ — کوئی مومن اپنے مومن بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض نہ رہے اگر وہ ناراضگی کی حالت میں مرا تو سیدھا جہنم میں جائے گا۔

○ — جو شخص ظالم کا ساتھ دے وہ بھی ظالم ہے اور اسلام سے خارج ہے۔

○ — نیک کاموں میں کسی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ وہ تمہارے اپنے کسی مسلمان بھائی سے ہنس کر ملنا ہی کیوں نہ ہو۔

مرسلہ..... مولا بخش، کراچی۔

یہ شعر مجھے پسند ہے

اقبال کے اشعار

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

مرسلہ ..... راؤ سجاد رشید، فیصل آباد۔

اپنی مِلت پہ قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

مرسلہ ..... اظہر خان، کراچی۔

خودی کو کر بُلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مرسلہ ..... فیصل احمد شجراہ، کندھ کوٹ۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

مرسلہ ..... اظہر اقبال صدیقی، کراچی۔

چڑیوں کی طرح دانے پہ گرتا ہے کس لئے
پرواز رکھ بُلند کہ بن جائے تو عُقاب

مرسلہ ..... اقرار رضا قریشی، حیدر آباد۔

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

مرسلہ ..... محمد آصف ندیم، چوک رجانہ۔

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا
وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا

مرسلہ ..... وسیم بن ضمیر، کراچی۔

پھولوں کی طرح اپنی کتابوں کو سمجھنا
چسکا ہو اگر تم کو بھی کچھ علم کے رس کا

مرسلہ ..... صدف مظفر، راولپنڈی۔

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

مرسلہ ..... قاضی مشتاق کراچی۔

مشکل الفاظ کے معنی

۱۔ قصر۔ محل
۲۔ قیاس۔ جانچ، اندازہ، تخمینہ، خیال
۳۔ خودی۔ خود شناسی، خود کو پہچاننا
۴۔ کمند۔ چرمی رسی جسے اونچی جگہوں پر اٹکا کر اوپر چڑھا جائے۔
۵۔ طالب۔ ڈھونڈنے والا، امیدوار، چاہنے والا۔
۶۔ سراپا۔ تمام بدن، سر سے پاؤں تک، حُلیہ
۷۔ چسکا۔ زبان کا مزہ، خواہش، شوق، عادت
۸۔ بانگِ درا۔ قافلے کی وقت رخصتی گھنٹی بجنے کی آواز، علامہ اقبالؒ کی ایک کتاب کا نام
۹۔ جادۂ پیما۔ سفر کرنا۔
۱۰۔ کارواں۔ مسافروں کی جماعت

کرنیں

محمد عمران خالق، کراچی

حضرت عمرؓ کسی کام کے لئے اکیلے جا رہے تھے۔ باہر سے آنے والے ایک شخص کو پتا چلا کہ یہ مسلمانوں کے امیر ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر بھاگا بھاگا ان کے پاس گیا اور پوچھا "آپ مسلمانوں کے امیر ہیں مگر آپ کے ساتھ کوئی محافظ کیوں نظر نہیں آ رہا؟"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ "عوام کا یہ کام نہیں کہ وہ میری حفاظت کریں بلکہ میرا یہ کام ہے کہ میں ان کی حفاظت کروں۔"

حضورؐ نے فرمایا

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہر مسلمانوں پر ایک دوسرے کے حقوق بیان کئے ہیں وہاں کسی مسلمان بھائی کی عیادت یعنی بیمار پرسی کی بھی ہدایت فرمائی ہے۔

○ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو وہ مسلسل جنت کے باغ میں رہتا ہے۔" (صحیح مسلم و ترمذی)

لبنیٰ وکیل قریشی، کراچی

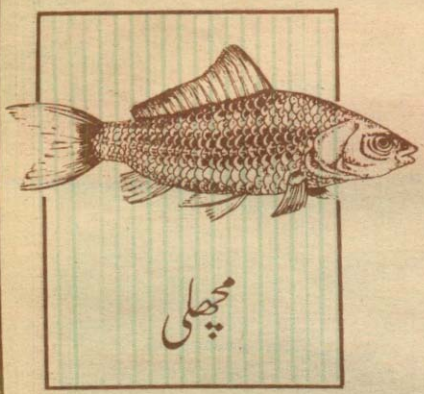

فرحانہ عظیم، کراچی

میں ہوں مچھلی رنگ برنگی
میرا گھر ہے بہتا پانی
پانی ہی سے پیار ہے مجھ کو
خشکی سے اِنکار ہے مجھ کو
ہاتھ میں آنا میرا مُشکل
چلتی ہوں بس منزل منزل

جھیل میں آنکھیں کھولتی ہوں میں
اور کچھوے سے بولتی ہوں میں
کبھی اگر ہو جھیل پہ جانا
مجھ سے بھی تم ملنے آنا

آخری بات

خالی آدمی کا دماغ شیطان کا کارخانہ بن جاتا ہے چنانچہ سمجھ دار لوگ اپنے فارغ اوقات کے لئے کوئی ہلکی پھلکی مصروفیت اختیار کر لیتے ہیں یہی مصروفیت مشغلہ کہلاتی ہے۔ مختلف لوگ اپنی طبیعت اور ماحول کے مطابق مختلف مشغلے اختیار کرتے ہیں، کوئی مطالعے کا شوقین کا ہوتا ہے کوئی سیر و شکار کا، کسی کو ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے تو کسی کو باغبانی کا۔

کتب بینی بھی ایک کارآمد اور دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ کتابوں میں بلند پایہ مصنفین کے خیالات، شعرا کے تخیلات و تجربات اور حکما کے اقوالِ زرّیں موجود ہوتے ہیں۔ ہمیں دنیا کی کار آمد معلومات کتابوں سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ کتابیں ایسی سچی دوست ہیں کہ ہمیں علم کا خزانہ بخشتی ہیں اور انسانی تقاضے پورا کرتی ہیں۔

تاریخ کی کتابوں سے ہم اپنے مذہبی رہنماؤں کی شخصیت و حکمت سے باخبر ہوتے ہیں، دنیا کی سیاست و حکومت کا صحیح علم ہوتا ہے۔ جغرافیہ ہمیں تمام ملکوں کے حالات سے واقف کرتا ہے۔ سائنس کی کتابیں ہمیں عجائبات قدرت اور ظاہر فطرت سے مانوس کرتی ہیں اور ہمارا دائرہ علم وسیع ہوتا ہے۔ کتابوں کا مطالعہ خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرتا ہے، ہمیں کامیاب انسان بنانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ کتب بینی سے ہی انسان کے اندر موجود تخلیقی صلاحیت اجاگر ہوتی ہے جس کی معاونت سے انسان گاہے بگاہے کچھ نہ کچھ رقم کرتا رہتا ہے۔

آنکھ مچولی کا سالانہ خریداری کا کوپن

نام _____

مہینہ جس سے رسالہ شروع کروانا چاہتے ہیں _____

رقم _____ بذریعہ _____

پتہ _____

_____

فون نمبر _____

نورس
UQRA
شربت نورس انتہائی کاوش، جدید ترین مشینری کی مدد اور ماہرین
کی انتھک کوششوں کو یکجا کر کے سائنٹیفک اصولوں کے تحت تکمیل
کو پہنچتا ہے۔ نورس کا ذائقہ ہی اس کی خوبی نہیں بلکہ اس کا ایک
ایک گھونٹ مفرح اور صحت بخش ہے۔ اسے دودھ، آئسکریم، کسٹرڈ اور
قلفی میں استعمال کرنے سے لذت دوبالا ہو جاتی ہے اور موسم برسات
میں تازہ لیموں کے ساتھ نورس فریش لائم موسم کے مضر اثرات
سے محفوظ رکھتا ہے۔
نورس قومی مشروب
احمد فوڈ انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ڈی-112-نورس روڈ۔ سائٹ۔ کراچی 75700
ٹیکس: 021-2564570, 021-298195 ٹیلکس: 21651 AHMED PK
فون نمبر 296045 (5 لائنیں)

REGD. No. M-266
MAY 1994
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI